

دارالاحمد روضہ احمد رضا

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نقی علی خاں

حیات اور علمی و ادبی کارنامے

پی ایچ ڈی مقالہ

ڈاکٹر محمد حسن

ایم اے اردو، پبلیشنگل سائنس
پی ایچ ڈی



ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، انٹرنیشنل، کراچی

www.imamahmadraza.net

عَلَامَةُ نَبَا نَبِي عَلِيٍّ خَاتَمِ الرِّسَالَةِ

حیات اور علمی وادبی کارنامے

ڈاکٹر محمد حسن قادری

ایم۔ اے (اردو، پولیٹیکل سائنس)

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

تقریب

صفحہ	عنوان	
4	تقدیم	•
10	پیش لفظ	•
11	باب اول	•
	مولانا نقی علی خاں کے عہد تک	
	اردو نثر کی روایت	
27	باب دوم	•
	مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی	
	فکری اور ادبی حالات	
43	باب سوم	•
	مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت	
118	باب چہارم	•
	مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا	
	تحقیقی و تنقیدی تجزیہ	
202	باب پنجم	•
	ہم عصر اردو نثر نگاروں سے مولانا کی	
	طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ	
221	باب ششم	•
	ماحول	
226	ضمیمہ (کتابیات)	

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	علامہ مولانا نقی علی خاں، حیات اور علمی و ادبی کارنامے
مصنف	:	ڈاکٹر محمد حسن قادری
تقدیم	:	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
پیش لفظ	:	ڈاکٹر محمد حسن قادری
نگران کمپوزنگ و گرافکس	:	راؤ سلطان مجاہد رضا
کمپوزنگ و گرافکس	:	ریاض شاہد
صفحات	:	225
تعداد	:	1100
سن اشاعت	:	۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء
تقریب	:	امام احمد رضا سلور جوہلی انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۵ء
ناشر	:	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی
ہدیہ	:	1-160

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل اسلامی جمہوریہ پاکستان

25/رجا پان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی پوسٹ بکس نمبر 489، (74400)
 فون: 021-2725150، 021-2732369، ای میل: marifraza@hotmail.com
 Web Site: www.imamahmadraza.net

کچھ مصنف کے بارے میں

نام: ڈاکٹر محمد حسن قادری

والد: مولانا طفیل احمد مرحوم

خاندانی حالات: آپ کے جد امجد کا تعلق سرزمین عرب سے ہے۔ عارف باللہ نام کے ایک بزرگ عرب سے کشمیر آکر آباد ہو گئے۔ انکی اولاد میں آپ کے دادا حضرت خواجہ احمد اور آپ کے والد مولانا طفیل احمد مرحوم تھے آپ کے دادا چار سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے بیعت ہوئے تھے۔ انتہائی متقی پرہیزگار عابد شب بیدار بزرگ تھے۔ محکمہ یو۔ اے میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔

آپ کی والدہ کا نام زبیدہ خاتون ہے آپ کے نانا مرزا مولانا جان بیگ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے پرانا مطبع اللہ بیگ تھے جو امام احمد رضا کے استاد مولانا غلام قادر بیگ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اس طرح آپ کی والدہ مرزا مولانا غلام قادر بیگ کی پوتی اور آپ ان کے پر نواسہ ہوئے۔

”حیات مفتی اعظم“ کے مصنف (مولف مرزا عبدالوحید بیگ مرحوم آپ کے سگے ماموں تھے۔

تعلیمی پس منظر: آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے اردو اور پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ہندی سہیوتہ سکیم پر یاگ (الہ آباد) سے سہیوتہ رتن کیا۔ جامعہ اردو علیگڑھ سے ادیب کمال کیا۔ ۱۹۹۸ء میں بریلی کالج بریلی کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسن خاں نقوی صاحب کی زیر نگرانی روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ”مولانا فتی علی خاں حیات اور علمی کارنامے“ کے عنوان سے Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

صحافت: روزنامہ راشتریہ سہارا، نئی دہلی۔ ہفتہ وار ”نئی دنیا“، دہلی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، تجلیات رضا، بریلی شریف اور ہندوستان کے دیگر بڑے جرائد و رسائل میں اسلامی موضوعات پر آپ کے مقالات و مضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مشغلہ: اس وقت بریلی شریف میں ایک بڑے سرکاری تعلیمی ادارے میں درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

تقدیم

اسلام کی نظر میں علم اور اعلیٰ علم کا بڑا مرتبہ ہے۔ قرآن کریم میں بار بار علم کی فضیلت و اہمیت کو نہایت دلش پیروں میں پیش کیا گیا ہے اور تحصیل علم و تعظیم علماء پر انسانوں کو راغب کیا گیا ہے۔

کائنات کے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی علم ہی کی فضیلت و برتری کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”تعلیم“ بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد باری ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ أَنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ کی بدولت فرشتوں پر فضیلت ملی اور اسی سے یہ بھی عقدہ کھلا کہ خلافت الہی کے لئے علم و حکمت اصلی شرط ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان کامل ہوتے ہیں اور خاتم النبیین، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الکملاء، افضل الانبیاء، اَعْلَمُ الْكَافَّةِ اور عالم ماکان و مایکون ہیں لیکن پھر بھی پر ارشاد خداوندی فراوانی علم کی ہمیشہ دعا کرتے ہیں: ”وَبِّدْنِي عِلْمًا“۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ”میرے چائشوں پر کثرت سے خدا کی رحمت جو میری سنتوں سے محبت کرتے ہیں (ان کا علم حاصل کرتے ہیں) اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں (مقبوم) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ: ہماری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں (علم نافع کے حصول اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی ترویج و اشاعت کے شوق کی بنا پر) (مقبوم) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اور اپنے رسول کرم و اکرام ﷺ کی طرح ان کی بھی اطاعت واجب فرمائی ہے۔

”اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولی الامر منكم۔“

ان ارشادات عالیہ کے بموجب ہر دور میں سید عالم ﷺ کے چائشین رہے ہیں اور حج قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

بر عظیم پاک و ہند میں سلطنت اسلامیہ کے آخری دور میں جو چند نامور و ارخان علوم مصطفیٰ ﷺ گزرے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی حضرت شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی رحمہم اللہ ان میں امام الاتقیاء حضرت علامہ مولانا فتی علی خاں (۱۲۳۶ھ/ ۱۸۳۰ء۔۔۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ابن علامہ رضا علی خاں بریلوی (۱۲۳۳ھ/ ۱۸۰۹ء۔۔۔ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) اور ان کے نامور صاحبزادے اعلیٰ حضرت علامہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہم اللہ کی شخصیت بھی خاص امتیازی شان کی حامل ہے۔

حضرت علامہ مولانا فتی علی خاں دراصل اپنے دور کے اعلیٰ حضرت تھے۔ آپ ۳۰ ہجری ۱۲۸۲ھ کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد امام العلماء علامہ مولانا رضا علی خاں سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فہم و ذکاوت نظری، صلاحیت رائے علوم اسلامیہ و نقلیہ و عقلیہ میں دسترس اور اختصار علمی ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی مثال ان کے معاصرین میں نظر نہیں آتی۔

المختصرات امام احمد رضا علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء.....۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) نے اپنی تصنیف الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکة البہیة میں (۳۰۱ پر) ۲۱ علوم وفنون کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خان سے حاصل کئے۔

علامہ نقی علی خان کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے کہ آپ عقل معاد اور عقل معاش دونوں کے جامع تھے۔

آپ کے مختصر حالات زندگی اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے علامہ نقی علی خان کی تصنیف ”جواہر البیان فی اسرار الادرکان“ کے مقدمے میں نقل فرمائے ہیں اس کا ایک اقتباس قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جا رہا ہے جس سے ان کی عبقریت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

”بودت انتھار وحدت افکار حضرت جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی ان دربار و امصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی عقل معاد و معاش دونوں کا بروج کمال ابتعا بہت کم شاہا یہاں آنکھوں سے دیکھا۔۔۔ اس ذات گرامی کو خالق عز وجل نے سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ و الخیر کی غلامی و خدمت اور حضور اقدس ﷺ کے اعداء پر غلظت و شدت کے لئے بنایا تھا۔“

حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر کے بہرہ نواب نیاز احمد خاں ہوش فرماتے ہیں:

”اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف کرتے ہیں ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تکلم فهو بحر یموج“ کا مضمون انہی کی ذات پر صادق آتا ہے۔

مناجات و مروت شہادت و علوم حتی آپ کی شخصیت کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپ غریبوں کے غمخوار اور امراء و رؤساء کے کنارہ کش تھے۔“

آپ نے اپنے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ۵ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء کو مارہرہ (ضلع ایٹہ پوٹی انڈیا) میں حضرت آل رسول احمدی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) سے شرف بیعت و خلافت حاصل کی۔ شدید علالت کے باوجود ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول مقبول ﷺ کیلئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سید احمد زین دہلان مکی سے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء سے مکرر سند اجازت حدیث لی، ۳۰ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کو ہجرت ۵۱ سال وصال فرمایا اور شب جمعہ والد ماجد علامہ مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں دفن ہوئے، آخری کلمہ ”اللہ“ ارشاد فرمایا اور آخری تحریر ”بسم اللہ الرحمن“ یادگار چھوڑی۔

آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آپ کی ۲۵ سے زیادہ کتب کا ذکر کیا ہے، آپ کی وہ تصانیف جو یورپ طاعت سے آراستہ ہو سکیں ان میں ”سرور القلوب فی ذکر الحبوب“، ”نور الکلام الاوضح فی تفسیر المشرح“ نے زیادہ شہرت پائی۔ ۱۸۵۷ء میں اسلامی سلطنت کے قیام اور انگریزوں کو ہندوستان سے وہیں نکالا

کرنے کے لئے مجاہدین اسلام علماء کی جو کمیٹی بنی تھی، آپ اس کے فعال رکن تھے، انگریزوں کے خلاف مجاہدین جنگ آزادی کو مقررہ مقام پر اسلحہ، خوراک اور گھوڑے وغیرہ پہنچانے کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد تھی آپ نے بڑی ذمہ داری اور حسن و خوبی کے ساتھ اسے انجام دیا۔ آپ جہاں اچھے مقرر اور اچھے مصنف تھے وہیں بہت بزرگ مدرس بھی تھے لیکن انہوں نے آپ کے تلامذہ کی فہرست مرتب نہ ہو سکی البتہ آپ کے اپنے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولانا حسن رضا حسن بریلوی علیہما الرحمۃ کی شخصیت پر انہوں نے شکر و درود کی فہرست پر بھاری ہے ایک روایت کے مطابق (غالباً شیخ الحدیث علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ نے راقم سے کہی تھی) راقم کے جد امجد حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری نوری برکاتی علیہ الرحمۃ نے بھی رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں قدس سرہ کے حضور زانوئے ادب تہہ کیا تھا اور شرف شاگردی سے مشرف ہوئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے والد ماجد کی ولادت اور وصال دونوں کے تاریخی ماڈے استخراج کئے تھے جو زیر نظر مقالہ اور دیگر کتب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

الحاصل یہ ہے کہ علامہ نقی علی خاں کی ہمہ جہت شخصیت اپنے عہد کی ایک نابالغہ روزگار ہستی تھی، علوم عقلیہ و عقلیہ کی کثیر فرغ پر آپ کو عبور حاصل تھا، امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی و دینی وطنی کارناموں کے سامنے ان کی شخصیت پر وہ فضا میں جا چھپی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی محقق اس نابالغہ عصر شخصیت کے علمی اور ادبی کارناموں کو اپنے قریطاس و قلم کا موضوع بناتا تاکہ باب علم و فن کو اس سے استفادہ کا موقع ملتا۔ یہ امر قاطع مسرت ہے کہ صاحب تذکرہ ہی کے ایک ہم وطن محترم ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی نے ان کے علمی و ادبی کارناموں پر بریلی شریف ہی کی یونیورسٹی (روچیل کنڈ یونیورسٹی) سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ اور علمائے اہلسنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔

علامہ نقی علی خاں پر اب تک بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ ان کے صاحبزادہ ذی وقار مولانا محمد احمد رضا خاں حنفی قادری برکاتی جو اپنے وسعت علمی، تبحر اور ذکاوت کی بنا پر اپنے دور کے ”علیٰ حضرت“ اور ”امام“ قرار پائے، ان کی فتوحات علمی کی طرف اصل علم اس تیزی سے متوجہ ہوئے کہ ان کے والد ماجد کی علمی شخصیت اور کارنامے فروغ و گذاشت ہو کر پس منظر میں چلے گئے۔ اب تک جو کچھ بھی لکھا جا چکا ہے۔ انہیں مولانا شہاب الدین رضوی صاحب کا مقالہ ”مولانا نقی علی خاں“ زیادہ جامع ہے اس میں علامہ کی شخصیت اور کارناموں کا اجمالی ذکر ہے جبکہ علامہ موصوف کے علمی قد و قامت کو دیکھتے ہوئے یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر بے شمار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن بریلوی صاحب قابل مہار کیا ہیں کہ انہوں نے پیش قدمی کی اور ”شہر خواں“ کے بانیوں پر بے اعتنائی کا جو

پیش لفظ

بریلی کے علمی و ادبی افق پر بہت سے چاند تارے کھنکھاس بن کر چمکے جن کی کرنوں نے علم و ادب کے ہر گوشہ کو روشن و تابناک کیا اور پورے عالم کو اپنی جلوہ ریزیوں سے فیضیاب کیا۔ ایسی ہی ہستیوں میں ایک علامہ مولانا تقی علی خاں بریلوی بھی ہیں۔ مولانا تقی علی خاں اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم دین، صاحب طراز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ نے ادبی و مذہبی دونوں خدمات انجام دیں لیکن مذہبی خدمات زیادہ غالب رہیں جس کی وجہ سے آپ کی ادبی شخصیت دب کر رہ گئی۔ بحیثیت ادیب آپ نے زبان و بیان اور علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

آج کی دنیا علامہ مولانا تقی علی خاں کو صرف ایک عالم دین کی حیثیت سے جانتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ اور اپنے عہد کے زبردست ادیب و محقق بھی تھے۔

جب میں نے اردو میں تحقیقی کام کا ارادہ کیا تو میری نظر انتخاب علامہ مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ چنانچہ میں نے مولانا موصوف کی تصنیفات کی تلاش شروع کی تو یہ دیکھا کہ آپ نے مختلف علوم و فنون اور موضوعات پر گراں قدر کتابیں لکھی ہیں جو موضوعات اور زبان و بیان کے اعتبار سے مشاہیر ادب و علماء سے کسی طرح کم نہیں۔

بریلی کا 'کالج بریلی' کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسین خاں نظامی صاحب نے میرے کام کی نگرانی کی نہ صرف منظوری فرمائی بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کام میں میری رہبری اور رہنمائی فرمائی۔ استاد مکرم حضرت نواب حسین خان نظامی صاحب کی شخصیت اگرچہ ہمارے شکر یہ سے بے نیاز ہے لیکن اگر میں اپنا حقیر نذرانہ شکر گزاری پیش نہ کروں تو سخت ناسپاسی ہوگی۔ راقم السطور پر استاد محترم نے یقیناً انکسار کے دریا بہا دئے ہیں۔ خدا کرے ایسے لائق و قابل استاد سب ہی طلباء کو نصیب ہوں۔

ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے میرے اس کام میں تعاون فرمایا۔ ان میں سرفہرست بھائی ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن ہیں جنہوں نے میرے تحقیقی کام کیلئے مفید مشورے دیئے۔ میں اپنے ماموں مرزا عبدالوحید بیگ علیہ الرحمۃ کا بھی تہہ دل سے ممنون احسان ہوں جو میرے اس تحقیقی مقالہ کے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور حسن سلوک کیلئے اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

آخر میں ایف۔ آر۔ اسلامیا انٹر کالج، بریلی کے لائبریرین جناب محمد ہارون صدیقی، جناب محمد اقبال احمد خان ٹوری، سید مرتضیٰ علی صاحب اور جناب محمد احمد کا بھی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے کتابوں کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی۔

ایسے خلص کیا ب ہیں۔ باری تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد حسن قادری

رہبر سراج اسکالر

شعبہ اردو، بریلی کالج، بریلی

محباب اول

مولانا تقی علی خاں کے عہد تک
اردو نثر کی روایت

باب اول

مولانا تقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر کی روایت

"دنیا کی تمام زبانوں کی ابتداء نظم سے ہوئی ہے

گویا نثر کا وجود تمام زبانوں میں شعر کے بعد ہوا

ہے۔ اسی اصول کے تحت اردو نثر کا آغاز بھی اردو

نظم کے بعد ہوا ہے۔ اردو نثر کی تاریخ آٹھویں

صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔" ۱۔

اردو نثر کے نمونے دکن اور گجرات کے فقرا اور صوفیا کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل

میں ملتے ہیں۔ ابتدائی نثر کے نمونے فارسی اور عربی کی مذہبی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں۔ نویں صدی

ہجری میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور ان کے نواسہ سید محمد عبداللہ حسینی وغیرہ

کی تصانیف سے اردو نثر کا آغاز ہوا۔ حضرت خواجہ گیسو دراز نے "معراج العاشقین" اور سید محمد عبداللہ

نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "نشاط العشق" کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کا ایک نسخہ

ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ شاہ میران جی نے "شرح مرغوب القلوب" لکھی اور

ان کے فرزند شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) نے متعدد اردو نثر کی کتابیں لکھیں جن میں

"کلمۃ الحق" اور "وجودیہ ہمدست" ہیں۔ ان کے اسلوب میں ادبیت کی بھی ہلکی سی جھلک ملتی

ہے۔ ان کا موضوع تصوف اور اخلاق ہے۔

شاہ برہان الدین جانم کے ہم عصر شیخ محمود الحق خوش دھان ہیں۔ آپ کا ایک

رسالہ "رسالہ محمود خوش دھان" ہے۔ اس کی نثر میں خوش سلیقگی اور ربط ہے۔

اسی عہد کے دوسرے صوفی بزرگ سید شاہ امین الدین اعلیٰ (م ۱۰۸۶ھ) ہیں۔

شاہ امین الدین اعلیٰ، شاہ برہان الدین اعلیٰ کے صاحبزادے تھے۔ رسالہ "وجودیہ" اور

"کلمۃ الاسرار" ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ "ارشادات" رسالہ "ظاہر و باطن"،

"عشق نامہ" اور "شرح کلمہ طیب" بھی امین الدین اعلیٰ کی تصانیف ہیں۔ ان سب کا موضوع

تصوف و اخلاق ہے۔

۱۰۳۵ھ میں ملا اسد وجہی (م ۱۷۰۷ھ/1659ء) نے "سب رس" تصنیف کی۔

یہ وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ محمد یحییٰ بن سبک قاجی نیشاپوری کی فارسی تصنیف "دستور

عشق" 1436ء کے نثری خلاصہ "حسن و دل" سے ماخوذ ہے۔ ملا وجہی نے "سب رس" میں نثر

ونظم کو گھلا ملا کر لکھا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین "سب رس" کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

"یہ (سب رس) ملا وجہی کی تخلیقی تصنیف نہ سہی۔ اس کا یہ دعویٰ

غلط نہیں ہے کہ اس سے پہلے اردو یا ہندی نثر میں کوئی کتاب

اس پایہ کی نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے

کہ نہ صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب و فنکاری

کے لحاظ سے بھی یہ انوکھی اور غیر معمولی تصنیف ہے" ۱۔

اس کے علاوہ میران جی حسین خدائما (1595ء-1663ء) نے بعض رسائل

تالیف و ترجمہ کئے تھے۔ ان کے نام ہیں۔ "چہار وجود"، "شرح تمہیدات ہمدانی" اور

"رسالہ مربیہ"۔ "تمہیدات ہمدانی" عربی کی تصنیف ہے اس کی شرح خواجہ بندہ نواز

گیسو دراز نے تقریباً تین سو سال بعد فارسی میں لکھی تھی۔ میران جی حسین خدائما کی "شرح

تمہیدات ہمدانی" اسی کا دہائی اردو میں ترجمہ ہے۔

میران جی خدا نما کے ہم عصر میران یعقوب نے میرکن عماد الدین کی فارسی تصنیف "سمانتہ نقیہ" کا اردو ترجمہ بہت سادہ اور سلیس نثر میں کیا۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر کا آغاز دکن سے ہوا لیکن شمالی ہند میں نثر کا آغاز فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" سے ہوتا ہے۔ فضلی نے "کربل کتھا" 1732ء میں تصنیف کی۔ "کربل کتھا" فضلی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف "روضۃ الشہدا" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں بھی نثر کا آغاز فارسی کتب کے تراجم سے ہوا۔ کربل کتھا سے پہلے شمالی ہند میں نثر کا کوئی بھی نمونہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ "کربل کتھا" کا نثری نمونہ پیش ہے:

"تب ماں بہنیں اور بھوپیاں خیمے سے دوڑیں اور علی اکبر کے پاؤں پر کروڑ لگیں، حضرت بھی رخصت نہ دیتے تھے اور علی اکبر رو رو عا جزی کر سونگندیں دیتے تھے۔ لاچار حضرت زادی اور رونے اس کے سے، آپ زرہ بکتر علی اکبر کوں پنھائے اور پٹکا حضرت آدم کا اس کمر میں باندھ، خود فولاوی سر پر رکھ تھیا رہندھائے۔ پھر ایک گھوڑے عقاب نام پر سوار فرمائے۔ ماں اور بہنیں علی اکبر کے گھوڑے کی باگ سے لپٹ رونے لگیں تب حضرت فرمائے، ہاتھ اس سے اٹھا کر قصد سفر آخرت کرتا ہے" ۱۔

اس دور کی دوسری اہم تصنیف "قصہ مہر افروز دلبر" ہے جو 1732ء-1759ء کے دوران لکھی گئی اس کا مصنف عیوی خاں بہادر ہے۔ اس قصہ کا پورا پلاٹ من گھڑت، غیر مذہبی یا سیکولر ہے۔ کربل کتھا کے مقابلے میں قصہ کی زبان آسان، سادہ، صاف اور کئی لحاظ سے جدید ہے۔

عیوی خاں بہادر نے اس قصہ کو اپنے عہد کی بول چال کی زبان میں پیش کیا ہے۔ اس دور کی نثر کی مشہور کتاب میر عطا حسین خاں تحسین کی "نوطرز مرصع" ہے جو میر خسرو کی فارسی تصنیف "قصہ چہار درویش" کا اردو ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے "نوطرز مرصع" کا سن تالیف 1775ء لکھا ہے۔ ۱۔ جبکہ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے لکھا ہے کہ "نوطرز مرصع" 1798ء میں منظر عام پر آئی۔ مرزا خلیل بیگ لکھتے ہیں۔

"میر عطا حسین تحسین کی "نوطرز مرصع" (1798ء) منظر عام پر آئی جو فارسی کے مشہور قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اس کی عبارت بے حد نکلیں اور مرقع ہے۔ فارسی و عربی الفاظ کی کثرت ہے" ۲۔

اردو نثر کے ارتقا میں نورث ولیم کالج کی خدمات

اردو نثر کے ارتقا میں شمالی ہندوستان میں نورث ولیم کالج کی خدمات اہم ہیں۔ 1800ء میں جان گلکرسٹ نے نورث ولیم کالج قائم کیا۔ کالج کے قیام کی غرض و غایت ایسٹ انڈیا کمپنی کے یورپین ملازمین کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دینا تھا۔ چنانچہ کالج میں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت قائم ہو گئی جس نے نہ صرف انگریزوں کے واسطے درسی کتابیں تیار کیں بلکہ اردو، ہندی میں مستقل معیاری کتب بھی تصنیف کیں۔ اس کالج سے وابستہ اردو کے اہل قلم میرامان خاں اسمن، میر شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، سید حیدر بخش حیدری، مرزا کاظم علی خاں جوان، للوالال جی، نہال چند، اکرام علی، سید محمد منیر، مداری لال گجراتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

میر اقلین نے ۱۲۱۷ھ بمطابق 1801ء میں "چہار درویش" کا اردو ترجمہ "باغ و بہار" کے نام سے کیا۔ میراسمن نے تحسین کے برخلاف غیر مانوس عربی، فارسی کے استعمال سے پرہیز

کیا اور عام فہم زبان میں کتاب لکھی۔ سیرسید نے میرامن کے بارے میں صحیح لکھا ہے "جو مرتبہ میر تقی میر کو نظم میں حاصل ہے وہی میرامن کو نثر میں حاصل ہے۔" باغ و بہار کے دیباچہ میں زبان اردو کی پیدائش کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ "باغ و بہار" کو انگریزوں میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اسکو انگریزی حکام کے اردو امتحان میں داخل نصاب کیا گیا۔

اسی کالج سے وابستہ مظہر علی خاں نے "ہفت گلشن" کا اردو ترجمہ اسی سال 1801ء میں کیا۔ اس کے علاوہ "قصہ مادہ ہونل" کا ترجمہ اور فارسی "تاریخ شہید شاہی" کا اردو ترجمہ بھی مظہر علی خاں کا ہی مرہون منت ہے۔ 1802ء میں میرامن نے ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف "گنجینہ خوبی" "اخلاق محسنی" کی طرز پر تصنیف کی اور میر شیر علی افسوس نے ۱۲۱۴ھ میں "گلستان سعدی" کا ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا جو اسی سال 1802ء میں شائع ہوا۔

حفیظ الدین احمد نے 1803ء میں ابوالفضل کی "عیار دانش" کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے کیا۔ افسوس نے 1804ء میں "آرائش محفل" لکھنا شروع کی جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ہندو راجاؤں کی مختصر تاریخ لکھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ افسوس نے اپنے قلم کو ترجمہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ طبع و تخلیق بھی پیش کیں جن کا موضوع جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح 1804ء تک اردو نثر میں تاریخ و جغرافیہ کی کتب تصنیف کی جانے لگی تھی۔ نورث ولیم کالج کے میرنشی میر بہادر علی حسینی نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر "اخلاق ہندی" تصنیف کی جو حقیقتاً تصنیف نہیں ہے بلکہ "ہتو پدیش" کے فارسی ترجمہ "مفرح القلوب" کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ اسی سال حسینی نے "نثر بے نظیر" تصنیف کی۔ 1811ء میں بنی نرائن نے فارسی قصہ کا ترجمہ "چہار گلشن" کے نام سے کیا۔ اس سے قبل 1809ء میں غلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامہ" کا اردو ترجمہ "واقعات کربلا" کے نام سے کیا۔ اسی دور میں مرزا جان طیش نے اردو محاورات پر ایک کتاب لکھی۔

مرزا کاظم علی خاں جو آن نے "شکنتلا" نامک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جو آن نے گلکرسٹ کی فرمائش پر قرآن شریف اور "تاریخ فرشتہ" کا بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا۔ 1812ء میں جو آن نے "بازہ سانسہ" کے نام سے ایک اور تصنیف کی جس میں جو آن نے مختلف فصلوں، موسموں اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں کا تذکرہ کیا ہے۔

1813ء میں نہال چند لاہوری نے "مذہب عشق" کے نام سے "قصہ گل بکاولی" کا اردو ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی نے عربی کی مشہور و معروف کتاب "اخوان الصفی" کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی 1814ء میں نورث ولیم کالج میں محافظ دفتر تھے۔ "تاریخ آسام" کا اردو ترجمہ قصہ لقمان اور قرآن شریف کا اردو ترجمہ بھی حسینی کے تعاون سے شائع ہوا۔

سید حیدر بخش حیدری جو نورث ولیم کالج کی منشی گیری پر تعینات تھے اکثر تصانیف فارسی کتب کے تراجم ہیں۔ حیدری نے امیر خسرو کی فارسی تصنیف "طوطی نامہ"، "نادر نامہ" کا اردو ترجمہ "تاریخ نادری" ملا واعظ کاشفی کی کتاب "روضۃ الشہدا" کا اردو ترجمہ "گلشن شہداں" اور شیخ عنایت اللہ کی "بہار دانش" کا اردو ترجمہ "گلزار دانش" کے نام سے کیا۔

اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے "حجة اللہ علی البالغہ"، "از الہ الخلفا" تصنیف کیں اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے قرآن شریف کا سب سے پہلا اردو ترجمہ 1839ء میں کیا۔ شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر نے ۱۲۱۵ھ میں قرآن شریف کا ایک دوسرا ترجمہ کیا اور ایک تفسیر

"موضوع القرآن" کے نام سے کی۔ ان کا ترجمہ بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ کتب ذریعہ اور تراجم کے علاوہ ترتیب صرف و نحو پر خاص توجہ دی گئی۔ 1809ء میں ہندوستانی گرامر منظر عام پر آئی۔

اردو نثر کی نشوونما کا ایک بڑا سبب مولوی اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی تحریک وہابیت بھی تھا۔ اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم خیال علماء نے متعدد کتابیں لکھیں۔ مولوی اسماعیل کی "تقویت الایمان"، "سید احمد کی" "ترغیب جہاد"، "ہدایت المؤمنین"، "نصیحت المؤمنین" وغیرہ کے جواب میں علمائے اہل سنت نے کثیر تعداد میں رسالے لکھے۔ مولانا عبدالحسنی فرنگی محلی نے 1847ء سے 1886ء تک دہائی تحریک کے رد میں "الکلام المتین فی تحریر الوہابین"، "مفید الخائفین فی جواب من رد علی معین الخالصین"، "تحفة الاخیار"، "ابرار الفتی"، "تذکرۃ الراشد" وغیرہ لکھیں۔ مولانا عبدالحسنی فرنگی محلی نے 1865ء میں "نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن"، اور مولانا عبدالباقی فرنگی محلی نے رسالہ "فی تحقیق علم الغیب"، مولانا فضل حق خیر آبادی نے "تحقیق الفتاوی"، مولانا فخر الدین الہ بادی نے "ازالۃ الاشکوک والاواہام"، مولانا فضل رسول ہدایونی نے "سیف الجبار"، مولانا ندیر احمد نے "سیف المستول علی منکر علم غیب الرسول" تصنیف کیں۔ شمالی ہند کے علاوہ ہنگام سے بھی مولانا مخلص الرحمن نے "شرح الصدور" اور صوبہ پنجاب کے سید مہر علی گولڑوی نے "اعلائے کلمۃ اللہ" تصنیف کیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین نے رد وہابیت میں آٹھ کتابیں لکھیں۔ حیدر آباد کن سے مولانا عبدالفتح نے "تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ" اور سلہٹ کے مولانا عبدالقادر نے "رد بعقول" اور صوبہ سرحد سے مولانا عبدالغفور آخون نے "احقاق حق" مولانا عبدالحق غور غشتوی نے "نور الانوار" تصنیف کیں۔ بریلی سے 1840ء میں "تصحیح الایمان فی رد تقویت الایمان" مولانا محمود شاہ خاں نے

تصنیف کی۔ یہ سب کتابیں اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے رد میں برصغیر ہندوپاک کے گوشہ گوشہ سے شائع ہوئیں۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی نے بھی "تقویت الایمان" کی رد میں "اصول الرشاد" تصنیف کی جو انتہائی جامع اور مدلل کتاب ہے۔

اس شر سے ایک پہلوئے خیر یہ برآمد ہوا کہ اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، علم الکلام، عقائد، فقہ، اصول فقہ وغیرہ علوم و فنون کی کتابیں جہاں اردو نثر کا سرمایہ بنیں وہیں اردو نثر کے رواج اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ اہل اردو کی کاوشوں سے اردو زبان میں جمیع علوم و فنون کی کتابیں لکھی گئیں۔

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کا حصہ

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کے کارنامے بھی کم قابل ذکر نہیں ہیں۔ 1805ء میں ہائیکل سے متعلق "عہد جدید" کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ مارٹن نے 1814ء میں "عہد جدید" کا یونانی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ 1816ء سے 1819ء تک پوری ہائیکل کا اردو ترجمہ پانچ جلدوں میں شائع کیا گیا جس سے زبان اردو کی وسعت و ترقی میں تعاون ملا۔

لکھنؤ سکول کی خدمات

نثر اردو کا آغاز دکن سے ہوا لیکن فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کے نشوونما اور ارتقا میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ یہ وہ دور تھا جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی۔ دلی تباہ ہو چکی تھی، انجام کار تلاش معاش میں سرگرداں اہل کمال نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ گویا دلی کے بعد لکھنؤ علم و فن اور شعر و سخن کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اہل لکھنؤ کی خدمات بھی اس میدان میں کم نہیں۔ 1824ء میں سرور نے "فسانہ عجائب" تصنیف کی جو اپنے اسلوب کے لحاظ سے منفرد ہے۔ ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے سرور کی زبان کا اس طرح تجزیہ کیا ہے۔

"فسانہء عجائب کی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا دقیق اور رنگین دوسرا آسان جس میں سرور نے اپنے عہد کی نہایت فصیح، نگاشتہ اور بامحاورہ زبان استعمال کی ہے۔ دقیق اور رنگین زبان نئے بیان تمہید اور ابتدا صبح و شام کی کیفیت یا کسی کی تعریف و توصیف کے موقع پر ملتی ہے جہاں وہ نئے نئے استعارے اور تشبیہیں صرف کر کے عبارت آرائی اور انشا پر داری کے جوہر دکھاتے ہیں" ۱۔

گو کہ سرور نے طرز قدیم کی پابندیوں سے آزادی حاصل نہیں کی بلکہ مروجہ قیود کی تقلید کی لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نثر کی تازگی اور شکستگی کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ سرور نے شاہ نصیر الدین حیدر کے حکم سے "شمشیر خانی" کا ترجمہ 1847ء میں اردو میں "سرور سلطانی" کے نام سے کیا۔ 1851ء میں نواب سکندر بیگم والی بھوپال کے حکم سے "شدر عشق" تصنیف کی۔ 1856ء میں رئیس سندیلہ نواب امجد علی خاں کی فرمائش پر "شگوفہ محبت" تصنیف کی لکھنؤ کے باکمال مصنفین نے ادب اردو کے سرمایہ کو وسعت دی اور "بوستان حکمت"، "گل بکاولی"، "گلشن نو بہار"، "گل صنوبر"، "نورتن" وغیرہ تصنیف کیں۔

اس زمانہ میں مقفی، مسجع نثر مقبول تھی اور اس سے اجتناب مشکل تھا لہذا اس دور میں لکھی جانے والی تصنیفات میں سلیس عبارت کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ عبارت میں تکلف و فصیح بہت زیادہ ہے۔ مقفی و مسجع نثر اتنی مقبول تھی کہ "سرور سلطانی" جیسی تاریخی کتاب بھی اسی زبان میں لکھی گئی۔ اس دور میں "الف لیله" کے متعدد ترجمے منظر عام پر آئے اور مقبولیت حاصل کی۔ اس طرح اس زمانہ کی نثر عصری تقاضوں کے تحت دقیق، رنگین اور مقفی و مسجع تھی۔

۱۔ فسانہ، عجائب مصنفہ: رجب علی بیگ سرور

مطبوعہ: یو۔ پی۔ اردو اکیڈمی، لکھنؤ، مقدمہ سید سلیمان حسن ص 27

اردو نثر کے ارتقا میں پریس کا حصہ

1837ء میں حکومت نے قانون بنا کر پریس کو آزادی دی جس کے باعث اردو کے اخبارات ملک کے طول و عرض سے شائع ہونے لگے۔ اخبارات کی کثرت اشاعت اور موضوعات کے بہتات نے اردو نثر کے نشوونما پر بہت اچھا اثر ڈالا جس کے باعث اردو نثر ارتقا کی منزلوں پر تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ 1852ء تک صوبہ مغربی اور شمالی میں پتیس پریس تھے اور چھبیس اخبارات شائع ہوتے تھے۔ 1853ء میں سینتیس پریس قائم ہو گئے اور اردو کے تیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ پریس اور اخبارات کی تعداد سے واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر عوام میں کافی مقبول ہو چکی تھی۔ 1854ء میں مزید اضافہ ہوا اردو کے چالیس پریس ہو گئے اور تینتیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ صرف 1853ء میں ایک سو پچانوے کتابیں ان پریسوں سے شائع ہوئیں۔ ۲۔

گارساں دتاسی نے اخبارات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہ اخبارات کامیاب ہوئے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ جغرافیہ، ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز اور مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن پر تکلف نہیں ہوتا کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔" ۳۔

دلی کالج

1804ء کے بعد دلی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حلقہ اثر میں آچکی تھی۔ پورے ملک میں جو تہذیبی رونما ہو رہی تھی اس کا اثر یہاں بھی پڑا۔ چنانچہ 1825ء میں دلی کالج قائم ہوا جس میں ہر مضمون کی تعلیم

۲، ۳۔ گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے انجمن ترقی اردو، دہلی ص 142، 147، 43

دی جاتی تھی۔ جو ایجوکیشن کمیٹی کالج کا نظم و نسق چلاتی تھی وہ کچھ کتابوں کا ترجمہ اردو میں بھی کر چکی تھی جس کی وجہ سے اردو کی اعلیٰ تعلیم ممکن ہو سکی۔ 1835ء تک اردو زبان ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس زبان کی نثر بالغ ہو کر مقبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی اس لئے فارسی کے بجائے اردو کو سرکاری دفاتروں کی زبان قرار دیا گیا۔ اس لئے سرکاری دفاتروں میں کام کاج اردو میں کئے جانے لگے جس سے اردو روزی روزی سے جڑ گئی۔ انجام کار اہل ملک کو اردو کی مہارت حاصل کرنا ان کی زندگی کی اہم ضرورت بن گیا اور اردو نثر کا رواج عام ہو گیا۔ قدیم روش سے ہٹ کر مرزا اسد اللہ خاں غالب نے بھی اردو نثر میں چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں اور انہوں نے اپنے معاصرین کو مکتوب بھی اردو میں ہی لکھے۔ انہوں نے مراسلت میں طرہ و قدیم قاعدوں کو توڑ دیا جس سے سہل، شیریں اور بامحاورہ اردو نثر کے اچھے نمونے معرض وجود میں آئے جس کو ہم عصروں نے پسند بھی کیا اور اختیار بھی کیا۔

سر سید اور ان کے رفقاء

اردو نثر کے ارتقا میں سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ 1864ء میں سر سید احمد خاں نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد مختلف علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس سوسائٹی سے وابستہ اہل قلم نے تاریخ، باپوگرافی، زراعت، فلاحیت، اقتصادیات وغیرہ علوم پر کتابیں لکھیں۔ سوسائٹی نے ایک رسالہ "ایلیگزٹھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" شائع کیا جس میں مختلف موضوعات پر اردو میں مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی اخبارات کے عمدہ مضامین کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جاتا تھا۔ 1870ء میں انہوں نے "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس رسالہ کے ذریعے سر سید نے جدید اردو نثر کی بنیاد رکھی۔ مولانا حالی تو سر سید کو جدید اردو نثر کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ سر سید کی نثر کی خوبی یہ تھی کہ وہ انتہائی پیچیدہ، مشکل اور دقیق مضامین کو خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی انتہائی صاف، سلیس اور سادہ نثر میں لکھتے

تھے۔ غالباً مرزا غالب کے طرز کا سب سے زیادہ اثر سر سید نے قبول کیا اور انہوں نے مرزا غالب کے نقش اول کو آگے بڑھایا۔ رام بابو سکینہ کا خیال ہے

"ان (سر سید) کے طرز جدید نے قدیم تصنع نگاری پر جو بیدار اور ظہور کی فاری تقلید میں اردو میں بڑھتی جاتی تھی ایک ضرب کاری لگائی اور یہ ثابت کر دیا کہ سادہ اور بے تکلف عبارت میں تصنع سے زیادہ خوبیاں ہیں۔" ۱۔

سر سید کی تصانیف آٹھ اضادیہ، تاریخ ضلع بجنور، تاریخ نیرکشی بجنور، خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن اور انجیل مقدس کی تفسیر سے اردو نثر کے جدید طرز کو فروغ ملا۔ انہیں کے رفیق کار مولانا حالی نے "حیات سعدی"، "مقدمہ شعر و شاعری"، "یادگار غالب"، "اور حیات جاوید" لکھ کر اردو نثر کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ حالی نے 1882ء میں "حیات سعدی" لکھ کر سوانح نگاری کے نئے نقطہ نظر سے اہل اردو کو آشنا کرایا۔

سر سید کے دیگر رفقاء میں نواب محسن الملک نے "تہذیب الاخلاق" میں بے شمار مضامین لکھنے کے علاوہ انگریزی کتاب "فرینچ ریلویشن اینڈ نیولین" کا اردو ترجمہ "سرگزشت نیولین بونا پارٹ" کے نام سے کیا۔ مولوی چراغ علی نے بھی اس دور میں کثیر تصانیف کیں جن میں "تحقیق الجہاد"، "تعلیقات"، "رسول برحق"، "اسلام کی دنیوی برکتیں"، "قدیم قوموں کی مختصر تاریخ"، "بی بی ہاجرہ" وغیرہ تصنیف کر کے اردو کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

جدید اردو نثر کو فروغ دینے والوں میں مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی، مولوی ذکا اللہ، مولوی سید احمد خاں وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد حسین آزاد بے مثال انشا پرداز ہیں۔ آب حیات، نیرنگ خیال، سخندان فارس، دربار اکبری آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

"آب حیات" مولانا آزاد کی ادبی صلاحیتوں اور انشا پر داری کا بہترین نمونہ ہے۔ "نیرنگ خیال" میں تمثیلی افسانے ہیں جو انگریزی افسانوں کی تقلید ہیں۔ "سند ان فارس" علم السنہ پر بے مثال تصنیف ہے۔ "در بار اکبری" میں شہنشاہ اکبر کے عہد کی مکمل تاریخ ادبی پیرائے میں پیش کی گئی ہے۔ آزاد نے اپنی تحریر میں تشبیہ و استعارات کا کثرت سے استعمال کیا ہے مگر تحریر میں روانی ہے۔ آزاد کی تحریر میں زندہ دلی، شگفتگی اور ظرافت بھی موجود ہے۔ آزاد کی یگانہ طرح تحریر اردو انشا پر داری میں اپنی مثال آپ ہے۔

نذیر احمد اردو ناول کے موجد ہیں۔ ان کے ناول اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ نذیر احمد نے قوم کی خستہ حالی، جہالت اور ضعیف الاعتقادی پر "مرآۃ العروس" اور "بنات النعش" جیسے بہترین ناول لکھے۔ ان کے ناولوں میں مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح اور ابن الوقت انتہائی مقبول ناول ہیں۔ نذیر احمد کے سارے ناول سبق آموز اور نصیحت خیز ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا اس کے علاوہ اہمات الامت، انتخابات الحکایات، الحقوق والفرائض جیسی مذہبی کتابیں بھی لکھیں۔ نذیر احمد کا ایک خاص اسلوب ہے۔ ان کا اسلوب صاف اور زور دار ہے۔ آپ نے محاورات، ضرب الامثال اور روزمرہ کے الفاظ کے استعمال سے عبارت میں چاشنی اور کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو نثر کے ارتقا پر مذہبی اختلاف کا اثر:

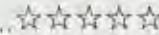
سر سید احمد خاں بزم خود مسلمانوں میں عظیم انقلاب لانا چاہتے تھے۔ مسلمان قوم جو سینکڑوں سال تک حکمرانی کرتی رہی تھی وہ اب محکوم ہو چکی تھی۔ مایوسی کا دور دورہ تھا۔ قوم کے زوال کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان قوم میں قدیم تقلیدی رجحان ہونے کے باعث جدید عصری تقاضوں کو پورا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے سر سید نے مسلمانوں میں شعور و ادراک پیدا کرنے اور زمانے کے ساتھ چلنے

کے اائق بنانے کیلئے انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ وہ قوم کی ترقی کو حاکم وقت کی زبان، اسکی تعلیم، طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو اختیار کرنے پر منحصر سمجھتے تھے۔ مغربی افکار و نظریات سے وہ اتنا متاثر ہو گئے تھے کہ انہوں نے مشرقی تہذیب و تمدن کو بے وقت کی راگنی قرار دیا۔ مسلم قوم کو بام عروج پر پہنچانے کی دھن ان پر اتنی سوار ہو چکی تھی کہ وہ ہندوستان کے مشرقی معاشرہ کو مغربی انداز فکر میں ڈھالنے کیلئے سرگرداں تھے۔ اس کام کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے قدیم اسلامی عقائد پر بھی نشتر زنی کی۔ انجام کار قیامت، حشر، نضر، جنت و دوزخ، فرشتہ وغیرہ کی جدید توضیح کی جس کی وجہ سے مسلم قوم میں انتشار پیدا ہوا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ سرسید کے افکار و نظریات اور عقائد کی تردید کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ سرسید اور ان کے رفقاء کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے رد میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ سرسید کے جدید نظریات کی مخالفت مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی اور "مدرسہ اہل سنت" بریلی کے بانی مولانا علی خاں نے بڑی شد و مد سے کی۔

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی لباس، آداب معاشرت وغیرہ (جو سرسید کے محبوب تھے اور جنہیں وہ مسلم معاشرہ میں عام کرنا چاہتے تھے) کی بہت زبردست مخالفت کی اور مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی فلاح اور ترقی کیلئے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو ضروری قرار دیا اور اپنے نظریہ کی تبلیغ کیلئے کتب تصنیف کیں۔ اپنی تصانیف میں مولانا نے اسلامی آداب، طرز معاشرت اور لباس وغیرہ کو مغربی لباس اور طرز معاشرت پر فوقیت دی۔ مولانا علی خاں نے اپنے ہم عصر علما کی ادق طرز تحریر سے ہٹ کر انتہائی صاف، سادہ، سلیس اور با محاورہ زبان استعمال کی۔ مولانا کی نثر تصنع سے پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ جہاں مغربی طرز معاشرت اور آداب و اخلاق کے مخالف تھے وہیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور غلط رسم و رواج کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ ان رسموں کو مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی زوال کا سبب بھی مانتے تھے۔ انہوں نے مسلم معاشرہ میں رائج غیر

اسلامی فضول رسوں کی مخالفت کی اور اصلاح معاشرہ کیلئے "ہدایت البریہ الی شریعۃ الاحمدیہ" لکھی۔ گویا اردو نثر میں اسلامی معاشرت پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔ سرسید نے اپنے موقف کی حمایت میں اور ان کے حواریوں نے سرسید کی حمایت میں متعدد کتابیں لکھیں۔ دوسری جانب سرسید کے مخالفین نے بھی سرسید اور ان کے معاونین کے رد میں کثیر تعداد میں کتب تصنیف کیں۔ اس طرح دنیا اور آخرت کے متعلق مختلف موضوعات پر اردو نثر کی کتب میں کثیر اضافہ ہوا۔ چونکہ سرسید کا مخاطب عوام تھے اس لئے انہوں نے عام بول چال کی زبان کو ہی اختیار کیا۔ ساتھ ہی سرسید کے مخالفین کو بھی اپنا پرانا طرزِ تحریر ترک کر کے عوام کی عام فہم اور روزمرہ کی زبان کو استعمال کرنا پڑا۔ اس لئے علمائے دین نے بھی مسجع، مقفل، مرصع اور ادق زبان سے اجتناب کیا۔ اس باہمی کشمکش سے اردو نثر کو نہ صرف جلد ملی بلکہ اردو نثر کے رواج کو بھی راہ ملی اور سادہ و سلیس اردو نثر بھی ادواروں میں بھی رواج پائی۔



گلاب دوم

مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی،
فکری اور ادبی حالات



باب دوم

مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی، فکری و ادبی حالات

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کا آغاز ہوا۔ انگریز فرانسس، پرہگالی وغیرہ نے مغلوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اٹھانے اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے نئی نئی چالیں چلنا شروع کیں۔ اندرون ملک مرہٹوں و جاٹوں و سکھوں جیسی طاقتیں سر اٹھانے لگیں۔ دلی کی مرکزی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں معذور تھی اور اس میں خود سر طاقتوں کا سر کچنے کی سکت نہ تھی۔ مرکزی کمزوری نے صوبیداروں کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا چنانچہ بنگال، اودھ، پنجاب اور دکن کے صوبیداروں نے آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اسی زمانے میں شمالی ہندوستان میں روہیلوں کی ایک نئی طاقت ابھری۔ جانا ز روہیلوں نے علاقہ کشمیر میں قسمت آزمائی کی اور انجام کار نواب علی محمد خاں (م 1748ء) نے علاقہ کشمیر میں باقاعدہ روہیلہ حکومت قائم کی اور علاقہ کشمیر روہیلکھنڈ کے نام سے منسوب ہوا۔ 1774ء میں نواب شجاع الدولہ اور انگریزوں کے اشتراک سے روہیلہ حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد روہیلوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا گیا۔ اس تباہی و بربادی کا تذکرہ کرتے ہوئے سید مصطفیٰ ہی بریلوی لکھتے ہیں۔

"روہیلہ سردار کی شہادت کے بعد روہیلکھنڈ بری طرح پامال ہوا۔ رعایا کو خوب لوٹا گیا اور روہیلوں کے گاؤں و بستیاں ویران و خاکستر کر دی گئیں۔ ہزاروں روہیلے روہیلکھنڈ چھوڑ کر گڑگا پار چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ اسلامی شعائر اور مساجد تک کی توہین کی گئی۔" ۱

۱۔ خان بہادر خان شہید، مرتبہ: سید مصطفیٰ علی بریلوی۔

روہیلکھنڈ پوری طرح سے والی اودھ نواب شجاع الدولہ کے زیر اقتدار آ گیا۔ 1801ء میں انگریزوں نے روہیلکھنڈ پر اپنا اقتدار جمایا اور اس طرح 1801ء سے انگریز روہیلکھنڈ پر پوری طرح سے قابض و دخل ہو گئے لیکن روہیلکھنڈ کے عوام نے والی اودھ اور انگریزوں کے اقتدار کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ 1794ء میں دو جوا (فتح گنج ججھی) کے مقام پر نواب آصف الدولہ اور اس کے حلیف انگریزوں سے روہیلوں کی جنگ ہوئی جس میں روہیلوں نے اپنی روایتی داد شجاعت ادا کی لیکن قسمت نے پوری نہ کی۔ روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام اپنی شکست پر بے چین رہے اور یہ بے چینی بریلی کے عوام نے 1816ء میں مفتی محمد عیوض کی قیادت میں ظاہر کی۔ مفتی محمد عیوض نے ہنر ہلائی پرچم حسین باغ بریلی میں لہرایا۔ یہ باغ آج بھی شہر بریلی کے غرب میں واقع ہے۔ ہزاروں تھپتھپتہ ہندو مسلمان مفتی محمد عیوض کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پہلی بھیت، رام پور شا جہا پور جیسے دور دراز علاقوں کے عوام بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ انگریزوں کے مقابلہ میں پہلی مرتبہ مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی۔ انہوں نے بریلی سے انگریز اور اس کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مجاہدین نے بریلی پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

انگریز نے اپنی شکست فاش کا بدلہ لینے کیلئے اپنی طاقت کو جمع کیا اور پھر مجاہدین پر حملہ کیا۔ ہزاروں مجاہدین شہید ہوئے اور انگریزوں نے بریلی پر پھر قبضہ کر لیا۔ اس شکست کے بعد بھی روہیلکھنڈ کے غیور عوام نے ہمت نہ ہاری اور اپنا کھویا ہوا سیاسی اقتدار اور ملی وقار حاصل کرنے کیلئے برابر کوشش کرتے رہے۔ ان کی آخری کوشش 1857ء کا وہ معرکہ تھی جس میں انہوں نے خسان بھادر خسان کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی اور روہیلکھنڈ کے دار السلطنت بریلی اور اس کے گرد و نواح پر مشتمل قومی حکومت قائم کر لی۔ بریلی سے انگریزوں کے فرار کی سرگزشت مولوی نجم الغنی خاں کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

"صبح یعنی 31 مئی کو اتوار کے دن سب یورپین اور کرچین حسب معمول عبادت کے واسطے گر جا میں جمع ہوئے۔ 9 اور 10 بجے

کے دوران مسیحی محمد بخش عرف جنرل بخت خاں صوبیدار توپخانہ پلٹن نمبر 68، 18 پیادگان ہندوستانی اور نمبر 8 سواران ہندوستانی متعینہ چھاؤنی بریلی باغی ہوا اور توپ کا فیر ہوا۔ یہ فیر گویا اطلاع اس بات کی تھی کہ فوج باغی ہو گئی۔ فیر کے بعد گوئے جلد جلد چلنے لگے مسلح سپاہی دیوانوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہے تھے۔" ۱۔

تقریباً چودہ ماہ تک روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام نے انگریزوں کو آزاد حکومت کے حدود کے قریب پھٹکنے تک نہ دیا۔ یہ دور روہیلکھنڈ کا سنہرا دور تھا۔ عوام میں اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور علاقہ روہیلکھنڈ میں خوشحالی نے قدم جمائے تھے۔ نواب سخاں بہادر خاں کے دور اقتدار کی خوشحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے محترمہ مدانیس فاطمہ رقم طراز ہیں۔

"اس دور میں کثرت سے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی بے اطمینانی اور انتشار نہیں پایا جاتا تھا۔ ہر چیز ارزاں اور بہتات سے تھی۔ گرانی کا کہیں نام نہ تھا خان بہادر خاں کے زمانہ حکومت میں پورا شہر رات بھر جاگتا تھا۔ بازار کھلے رہتے، سڑکوں اور گلی کوچوں میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی۔ لوگ نواب کی انتظامی قابلیت اور مایا پروری کے بڑے مداح تھے۔ مسجدیں، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ لوگ امن و امان کی ڈونڈی پیٹتے تھے۔ ہر چیز ارزاں ہو گئی تیل روپیہ کا پانچ سیر، گھی روپیہ کا ڈھائی سیر اور گیہوں بیس سیر کے حساب سے فروخت ہو رہا تھا۔" ۲۔

افسوس روہیلکھنڈ کی یہ فارغ البالی اور خوش حالی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ 1857ء کے

معرکہ میں اودھ انگریزوں کے مقابلہ میں شکست کھا چکا تھا۔ نواب رام پور نے انگریزوں کی غلامی کا کلاوہ پہن رکھا تھا۔ خود مرکز نیست و نابود ہو چکا تھا۔ مغلیہ خاندان کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر انگریزوں کی قید میں پہنچ چکا تھا۔ تنہا روہیلکھنڈ انگریزوں کی طاقت کو کہاں تک جھیلتا۔ چنانچہ انگریزوں نے روہیلکھنڈ کے اطراف و جوانب کو اپنے استبدادی پنجے میں جکڑنے کے بعد 6 مئی 1857ء کو روہیلہ نواب کے مقابلہ پر عظیم فوجی طاقت لے کر مقابلہ پر آ گئے۔ بریلی کے مشرق میں ٹکلیا کے کنارے مجاہدین اور انگریزوں کی فوج کا مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے خوب خوب داد شجاعت دی لیکن تلوار بندوق کا مقابلہ نہ کر سکی مجاہدین پسپا ہوئے، بریلی اور اس کے نواحی علاقوں پر پھر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ نوابی فوج منتشر ہو گئی اور نواب خان بہادر خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ بہادر شاہ ظفر کی شکست اور مجاہدین جنگ آزادی کے استحصال کے بعد انگریز بلا شرکت غیرے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

ہندوستان کے عوام ہمیشہ سے فراخ دل رہے زمانہ قدیم سے تو میں اس ملک میں آتی رہیں آباد ہوتی رہیں جس کے باعث ہندوستان کے عوام اپنے مذہبی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے شیرو شکر بن کر رہے جس کے سب سے زیادہ اثرات مغلیہ دور حکومت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس دور میں ہندوستان کے افراد نے باہمی اشتراک سے مشترکہ تہذیب و تمدن کو جنم دیا تاکہ اتحاد و اتفاق کی جڑیں مضبوط ہوں اور عوام سکون قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اتحاد و اتفاق کا جذبہ اس وقت اور بھی عروج پر پہنچ جاتا ہے جب مذہبی حدیں ختم کر کے ایک مشترکہ مذہب ایجاد کیا گیا۔ یہ انتہا پسند اقدام تھا جس کے باعث اتفاق و اتحاد کو فروغ تو نہ ملا لیکن عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور ان کو یقین ہونے لگا کہ حکومت وقت ان کے قدیم آبائی مذہب کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ عوام کے اس تصور نے تحفظ مذہب کے نام پر اپنے اپنے مفاد کی گمرانی کیلئے سعی کی جس کے باعث اتحاد و اتفاق کی دیوار میں دراڑیں پڑنے لگیں اور مشترکہ مذہب جس اتحاد و اتفاق کو قائم کرنے کیلئے وضع کیا گیا تھا وہی مذہب اتحاد

والتفاق کیلئے مفرط ثابت ہوا۔ مرہٹہ، راجپوت اور جاٹ مسلح بغاوت پر آمادہ ہوئے جس کے باعث ملک کے اندر نفرت و انتشار کا ماحول بنا جس سے ہندوستان کی فارغ البالی اور خوشحالی میں رخنہ پڑا۔ اس لئے ہندوستان کے دانشور طبقہ نے ملک میں امن و سکون کے قیام اور انسانیت کی بقا و تحفظ کیلئے انسانیت کا پیغام دیا اور اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے عبدالرحیم خانخاناں، ملک محمد جانشی، راجہ رام موہن رائے وغیرہ نے اپنے دھرم کے ماننے والوں کو انسانیت کا پیغام دیگر دھرم کی صحیح تصویر اور مفہوم کو واضح کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلم علماء و فضلاء نے بھی امن و سکون قائم کرنے کیلئے عظیم کوششیں کیں۔ یہ کوششیں طویل عرصہ تک جاری رہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، سید احمد مشہدی وغیرہ علماء نے انسانیت کو معیار مان کر ملک میں اخوت و محبت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کا صحیح تعارف کرانے کیلئے ماحول کا سازگار اور پر امن ہونا ضروری تھا۔ اس لئے علماء و مشائخ نے فراخ دلی کے ساتھ انسانیت کا پیغام دیا۔ مسلم فقرا نے اہل ہند کو اسلام سے متاثر کرنے کیلئے ان کے دلوں میں جگہ پیدا کی حتیٰ کہ تصوف کے ساتھ دیدانت کو بھی مسلم صوفیوں نے قابل اعتنا سمجھا اور پوگ و زہد میں مطابقت پیدا کی اور بھیجن و کیرتن کی طرز پر قوالی کو رواج دیا تاکہ اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے میں سہولت ہو۔ علماء صوفیا اور مشائخ کی کوششوں کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے قریب آئے، انہوں نے مسلمانوں کی زبان کو پڑھا اور سیکھا۔ سرکاری زبان فارسی عام لوگوں کی زبان بنی جس کے باعث اسلام کو سمجھنے میں غیر مسلموں کو کافی سہولت ملی اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے کافی قریب آئے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لباس کو پہننا باعث فخر و امتیاز سمجھا جانے لگا۔ ہندوستان کے قدیم لباس کی طرف سے ہندوستانی عوام کی توجہ ملی اور مسلمانوں کی لباس کو بڑی حد تک قبول کیا جس کے باعث مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور جذبہ خیر و برائی نے عوام کو قریب سے قریب تر کر دیا۔

جذبہ خیر و برائی کا فروغ ہی اردو زبان کی شکل میں نمودار ہوا اور اردو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی زبان بنی۔ عربی، فارسی و ترکی کو مسلمانوں کی زبان اور سنسکرت، پالی، پراکرت وغیرہ کو ہندوؤں کی زبان کہا جاتا تھا۔ یہ لسانی فرق بھی اردو نے جنم لے کر ختم کر دیا۔ اردو تمام ہندوستانیوں کی زبان بنی۔ زبان کی یکسانیت کی وجہ سے عوام کے ذہن و فکر میں یکسانیت پیدا ہو گئی۔ اس فکری و ذہنی یکسانیت نے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ یہی تہذیب آگے چل کر گنگا۔جمنی تہذیب کہلائی۔

ہندوستانی عوام ایسٹ انڈیا کمپنی کی چالوں کا شکار ہوئے اور مغلیہ حکومت برائے نام رہ گئی اور انگریز اپنی اصلی غایت حاصل کرنے کیلئے سرگرم ہو گئے۔ ان کا اصل مقصد ہندوستان پر اقتدار جمانا تھا۔ انہوں نے ہندوستان پر اقتدار بنانے کیلئے کہیں علاقائی منافرت کا بیج بویا تو کہیں مذہبی تعصب کو ہوا دی تاکہ ہندوستانی عوام فکری طور پر منتشر ہو جائیں چنانچہ انہوں نے بہت ہی مکاری کے ساتھ مختلف مذاہب کے درمیان حدود رقابت پیدا کرنے کیلئے سیاسی چالیں چلیں۔

ایک طرف انہوں نے ہندو مذہب کے تحفظ و بقا کے نام پر ہندوؤں کو سرگرم کیا تو دوسری جانب مسلمانوں کو ہندوؤں سے بدظن کرنے کیلئے غلط افواہوں کا سہارا لیا۔ راجپوتوں کو مرہٹوں سے، مرہٹوں کو جاٹوں سے بھڑایا۔ ہندوستانی سماج میں انتشار پیدا کرنے کے بعد انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے مختلف مراکز قائم کئے اور ہندوستانی زبانوں میں عیسائی دھرم کا لٹریچر شائع کیا تاکہ ہندوستانی عوام کو عیسائی بنا کر اور ان کے جذبات عیسائی حکومت سے جوڑ دیئے جائیں۔ اس کام کیلئے انہوں نے ہندوستانی معاشرت کے ساتھ معیشت کو بھی تباہ و برباد کیا۔ جدید مشینوں کی ایجاد اور ان سے بنی ہوئی اشیاء کا مقابلہ ہندوستانی کاریگروں کی بنائی ہوئی اشیاء کے مقابلہ میں انتہائی سڈول، خوہو صورت اور پائیدار ہونے کے ساتھ کم قیمت بھی ہوتی تھیں۔ اس لئے ہندوستانی عوام مشین سے بنی ہوئی اشیاء کو ہی قبول کرنے لگے۔ انجام کار ہندوستانی کاریگر اور دستکار بیکاری کا شکار ہو گئے۔

انگریز ہندوستان سے کچا مال معمولی قیمت پر انگلینڈ لے جاتے اور وہاں مشینوں کی مدد سے

اشیا تیار کر کے ہندوستان میں ہی ہندوستانیوں کے ہاتھ فروخت کر کے ہندوستانیوں کو ذہنی اعتبار سے مغلوب کر رہے تھے۔ انگلینڈ کی بنی ہوئی اشیا معیاری اور اعلیٰ تصور کی جاتی تھیں۔ ذہنی اعتبار سے ہندوستانی عوام انگریزوں سے مغلوب اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلہ میں احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے گویا ہندوستانی عوام سیاسی زوال سے ہی دوچار نہ ہوئے بلکہ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی مجبور و لاچار ہو گئے تھے۔ غریبی، بے کاری، مفلسی ان کی قسمت میں لکھی جا چکی تھی۔ ملک کی سیاست و معیشت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی انہوں نے انگریزیت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اسی لئے ہندوستانی عوام میں انگریزیت کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں اور وہ انگریزی معاشرت کے دلدادہ ہو گئے۔ یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ انگریز اہل ہند کے مذہب کو ہی ختم کر دیں گے۔

اہل ہند کے دماغ میں یہ بات بھی سرایت کر گئی تھی کہ انگریزوں کا مقصد صرف حکومت کرنا ہی نہیں بلکہ یہاں کے عوام کو عیسائی بنانا ہے۔ ایک طرف بیدار مغز لوگ مضطرب تھے تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے پرواہ ہو کر بیہ بازی، کبوتر بازی، مرغ بازی، چوسر، بچھری، تاش، پیہ، سواگ و ناچ رنگ وغیرہ تباہ کن عیوب میں گرفتار تھے۔ ان عیوب نے ملی اعتبار سے عوام کو دیوالیہ بنا دیا تھا۔ عوام ان عیوب و نقائص میں پڑ کر تعلیم سے بے بہرہ ہو کر جہالت کا شکار ہو گئے۔ بہر حال ایک قوم کو خود تباہ و برباد کرنے کیلئے جن مہلک جراثیم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانیوں میں پرورش پا رہے تھے۔ دوسری جانب فاتح قوم مفتوح قوم کو نیست و نابود کرنے کیلئے جن حالات کو پیدا کرنا لازمی سمجھتی تھی وہ حالات بھی پیدا ہو چکے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ کیلئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

ہندوستانی معاشرہ میں نشاۃ ثانیہ کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے عوام کے ذہن و فکر کو انگریزیت کی غلامی سے آزادی دلانا اور فہم و بصیرت پیدا کرنے کیلئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام اہم کام تھا جس کیلئے علماء و مشائخ نے سعی کی۔ عوام کو جہالت سے دور کرنے کیلئے اور ملت اسلامیہ کے تشخص کو

برقرار رکھنے کیلئے تعلیم لازمی تھی چنانچہ دہلی میں مدرسہ حقانی، مدرسہ رحیمیہ، مدرسہ حسین بخش اور بریلی میں مدرسہ اہل سنت قائم کئے گئے۔ بنگال و بہار میں بھی مدارس قائم کئے گئے جہاں ایسے مبلغ تیار کئے گئے جو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے فریضہ کو بخوبی انجام دے سکیں۔ عیسائیت کے خلاف علماء صف آرا ہوئے جبکہ جگہ مسلم علما اور پادریوں کے درمیان مناظرے ہوئے جس میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور عیسائیت کی ہوا اکھڑنے لگی۔ اس قسم کے مدارس رام پور، ٹونک، جامع مسجد دہلی، علیگڑھ والہ آباد وغیرہ میں بھی قائم ہوئے جہاں کے علماء نے وقت کی غرض پر ہاتھ رکھ کر عوام کی رہبری و راہنمائی کی۔

1801ء سے ہندوستان کے استحصال کی تحریک جتنی زیادہ زور پکڑتی گئی اتنا ہی ہندوستان کے باشندوں کے جذبات نفرت و حقارت کے جذبات بڑھنے لگے اور وہ اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل کرنے کیلئے سرگرداں ہو گئے۔ ہندوستانی عوام نے اپنے تمام عیوب و نقائص کے باوجود اپنے استحصال کے خلاف انگریزوں سے لڑنے کیلئے اپنی صفوں کو آراستہ کیا اور غم و غصہ کو ظاہر کرنے اور انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کیلئے 1857ء میں مسلح انگریزوں سے جہاد کیا۔ یہ مسلح جہاد کامیابی کے ساتھ روہیلکھنڈ میں لڑا گیا۔ روہیلکھنڈ میں اس جہاد کی قیادت جنرل بخت خان کے سپرد کی گئی۔ جہاد کو عملاً کامیاب بنانے کیلئے ایک جہاد کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں سرفہرست امام العلماء مولانا رضا علی خان، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بریلوی اور مولانا نقی علی خان بریلوی کے نام آتے ہیں۔ اس جہاد کمیٹی کے متعلق علامہ عبدالحکیم اشرف لکھتے ہیں:-

"جہاد کمیٹی نے فتویٰ جہاد کی تشہیر کے بعد انگریزوں کے خلاف اقدام کرنے کیلئے جنرل بخت خان کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ امام العلماء مولانا رضا علی خان جہاد کمیٹی کے

سرپرست تھے۔ جنرل بخت خاں اور خان بہادر خاں کبھی بھی امام العلماء کی ہدایت کے بنا کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔" ۱۔

جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہندوستانی معاشرہ ابتلا و آزمائش کے دور سے گزرنے لگا۔ انتقامی کارروائی کی گئی اور ہزاروں بے گناہ افراد کو شہید کر دیا گیا۔ علما و فضلا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ محض شبہ کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے گئے، کالے پانی کی سزائیں دی گئیں، جلاوطن کئے گئے۔ ابن الوقت، ضمیر فروش معاشرہ میں پیدا ہوئے جنہوں نے سرکار بہادر کے گن گائے اور جنہوں نے قوم سے غداری کی ان کو خطابات سے نوازا گیا اور عطیہ میں بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں۔ ایسے روح فرسا دور میں مولانا نقی علی خاں ؒ نے اپنی قوم کو بیدار کر کے عیسائیت کے اثرات سے قوم کو محفوظ رکھنے کیلئے سیف کے بعد قلم کا سہارا لیا۔ حقیقت میں اس دور میں ہندوستانی معاشرہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کی جائے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالا جائے تاکہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مورچہ لینے کیلئے تیار ہوں۔

مولانا نقی علی خاں ؒ کی تصنیفات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مولانا بریلوی نے ہندوستانی عوام کو عزم دیا، حوصلہ دیا اور خود کفیل بننے کا سہارا دیا۔ مغربیت کے طوفان سے بچانے کیلئے انہوں نے مسلمانوں کو فتنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ انگریزوں نے پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اپنے ظلم و تشدد کا سب سے زیادہ نشانہ مسلمانوں کو بنایا کیونکہ اس جنگ کے بانی وہی تھے اور وہی قائد بھی۔ انگریزوں کو مستقبل میں اگر کوئی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا تو وہ سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے ہی تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور آپس میں دست و گربیان رکھنے کیلئے ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی بنائی جنہوں نے جدید طریقے تراشے اور مسلمانوں میں ان کو عام کرنے کی کوشش کی

اسلام سے لوگوں کو بددل کرنے کیلئے انگریزوں نے بہائی تحریک کو بڑھا دیا، فردوسی مسائل کو بنیاد بنا کر اختلافی جنگ سے کرائے تاکہ مسلم قوم آپسی انتشار میں سرگرواں رہے اور انگریزوں کی طرف

منہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں مغربیت کو فروغ دینے کیلئے ترقی کے نام پر تحریکیں چلائی گئیں۔ مولانا نقی علی خاں ؒ نے انگریزوں کی ان چالوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں میں نئے عقائد کی تبلیغ روکنے کیلئے اور اثرات زائل کرنے کیلئے آپ نے "اصول الرشاد"، "ازالہ الاوهام" وغیرہ کتابیں تصنیف کیں اور عقائد فاسدہ کو مسلم معاشرہ میں پرورش پانے سے روکا۔ انگریزی تعلیم کے معضلات سے قوم کو بچانے کیلئے "فضل العلم و العلماء" تحریر کی عیسائیت کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ پر نازیبا حملے کیے گئے آپ نے ان کا جواب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" لکھ کر دیا۔ ہندوستانی عوام میں انگریزوں کے اقبال کو بلند کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ارباب علم و فکر و دانش سرگرم رہے جن میں مولانا نقی علی خاں کا نام سر فہرست آتا ہے۔ انہیں دانشوران قوم کی سعی کا ثمرہ تھا کہ انگریزی دور اقتدار میں بھی مسلمانوں نے اپنی دینی و اسلامی انفرادیت کو محفوظ رکھا اور انگریزوں کے خلاف جذبہ و حقارت باقی رکھا۔ یہی وہ سعی تھی جو آگے جا کر پروان چڑھی اور بعد کو جدید فکری تقاضوں کے تحت جنگ آزادی کی لڑائی کا باعث بنی۔ حقیقت یہ ہے کہ 1857ء میں پہلی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد سے 1947ء میں ملک آزاد ہونے تک نوے سالہ دور گزار جس میں ملک کے عوام نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کیلئے خود کو سنبھالا۔ اس طرح جس کام کا آغاز مولانا نقی علی خاں ؒ نے اپنی حیات میں کیا تھا اس کا انجام 1947ء میں آزادی کی نعمت کے طور پر ہندوستان کے عوام کو ملا۔

انیسویں صدی کے عوائل میں اردو نثر و نظم کے معیاری ترجمے اور تخلیقات معرض وجود میں آچکی تھیں۔ اردو زبان میں زیادہ کام تفریح طبع کیلئے قصے اور کہانیوں پر مبنی ادب تیار ہوا۔ شعرا نے بھی ادھن ادا کی۔ عربی کی طرف عوام کا رجحان ختم ہو چکا تھا۔ فارسی زبان کا چلن خواص تک محدود ہو گیا تھا۔ پھر بھی فارسی و عربی دینی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی جو عوام کی زبان نہ رہ کر علما و خواص تک محدود

ہو چکی تھی۔ میرامن نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی جاری رہا۔

مثلاً بہنی نوائن نے 1811ء میں فارسی قصہ کا اردو ترجمہ "چہار گلشن" کے نام سے کیا۔ اس کے ساتھ ہی اردو نثر میں مذہبی کتابوں کے ترجمے اور کچھ تخلیقات بھی معرض وجود میں آئیں۔ خلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامہ" کا ترجمہ "واقعات کر بلا" کے نام سے کیا۔ کاظم علی خاں جو آن نے اردو میں قرآن شریف کا ترجمہ اور فارسی زبان میں لکھی گئی "تاریخ فرشتہ" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ 19ویں صدی کی تیسری دہائی میں دینی و مذہبی کتابوں کی تصنیفات کا رجحان زیادہ بڑھ گیا۔ شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخلفاء" ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین کا قرآن شریف کا ترجمہ اور ان کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن شریف اور قرآن کی تفسیر "موضوع القرآن" کے نام سے اردو میں لکھی گئیں۔ 19ویں صدی کے نصف کا دور آتے آتے اردو اخبارات بھی کافی تعداد میں شائع ہونے لگے۔ بریلی سے بھی "عمدۃ الاخبار" شائع ہوا جس کے ایڈیٹر کشمن پرساد تھے۔ اس اخبار کے متعلق گھر رساں دتاسی لکھتے ہیں۔

"اخبار مذکور میں حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین

ہوتے تھے۔ مثلاً ایک مضمون میں لکھنؤ اور

دہلی کے اردو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔"

19ویں صدی کا نصف عہد گزرنے کے بعد اردو نظم و نثر میں قصے کہانیاں لکھنے کا رواج کم ہوا اور مذہبی کتابوں کی تصنیف، تالیف و ترتیب میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ سر سید احمد خاں اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے معاشرہ کی اصلاح اور جدید علوم کی ترویج و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا جس کے تحت اردو کے ادیبوں نے مذہب اور اصلاح معاشرت وغیرہ موضوعات پر قلم اٹھایا۔ سر سید نے علیگزہ انسٹی ٹیوٹ سے "تہذیب الاخلاق" جیسے معیاری رسائل شائع کئے اس کے علاوہ "آثار الضاد" "تاریخ ضلع بجنور، تاریخ سیر کشی بجنور، اسباب بغاوت ہند جیسی تاریخی و سیاسی تصنیفات شائع کر کے اہل اردو میں تاریخ

نویسی کے رجحان کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ سر سید نے خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن، تفسیر انجیل و فوز مبین وغیرہ مذہبی، دینی کتب اردو میں لکھیں۔

مولانا جالانی نے حیات سعدی اور یادگار غالب کے بعد حیات جاوید لکھ کر اہل اردو کو سوانح نگاری کے نئے اسلوب سے آشنا کرایا۔ اردو میں سب سے زیادہ دینی، مذہبی اور اسلامی کتب تحریک و حبابیہ کی حمایت اور اسکی رو میں لکھی گئیں۔ ہندوستان میں علمائیاں طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ انتہائی مختصر تعداد وہابی تحریک کی حمایت پر کمر بستہ تھی اور علمائے ہند کی کثیر تعداد اس تحریک کے بد مقابل صف بستہ ہو گئی۔ چنانچہ اپنے اپنے موقف کی حمایت میں دونوں گروہوں کے علمائے اردو نثر میں کتابیں لکھیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی جو ہندوستان میں اس تحریک کے محرک تھے۔ "تقویت الایمان" اور ان کے روحانی استاد سید احمد رائے بریلوی نے "ترغیب جہاد"، "ہدایت المؤمنین" اور "نہجیت المؤمنین" لکھیں۔ جس کے جواب میں علمائے فرنگی محل نے "الکلام المتین فی تحریر الراحین"، "مفید الجائفین"، "تحفۃ الاخیار"، "تذکرۃ الرشید" وغیرہ لکھیں۔ مولینا عبدالحلیم فرنگی محلی نے رسالہ "نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن" تصنیف کیا۔ ان کے علاوہ عبدالباقی فرنگی محلی، مولینا فضل حق خیر آبادی، مولینا فضل رسول بدایونی وغیرہ علمائے تحریک و حبابیت کے رد میں کتابیں لکھ کر اردو ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

شمالی ہند کے علاوہ بنگال سے بھی "شرح الصدور"، "صوبہ پنجاب" "اعلاق کلمۃ اللہ"، "جنوب" "تحفہ محمدیہ"، "سلہٹ" (آسام) سے "رد بعقول" "صوبہ سرحد" "احقاق حق" شائع کیں الغرض مولینا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، عقائد فقہیہ و اصول فقہیہ وغیرہ موضوعات پر اردو میں کافی لٹریچر تیار ہو چکا تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے بھی رد و حبابیہ میں کافی نمایاں کام کیا۔ آپ نے اس تحریک کی رد میں کتب تصنیف کیں اور بریلی داس کے گروہوں میں مذہبی روح پھونکی۔ علما و فضلا دینی و مذہبی

کے بھی ماہر تھے۔ ان کی چار تصنیفات ملتی ہیں۔ "حدیقہ نعت"، "تاریخ روہیلکھنڈ"، "کلیات ہوش" اور "مثنوی ترانہ ہوش"۔ "کلیات ہوش" 1894ء میں مطبع گلشن فیض لکھنؤ سے شائع ہوا۔ انہوں نے ایک رسالہ گلدستہ ہوش افذا بھی شائع کیا جس کی طباعت مطبع نظامی کانپور سے ہوئی۔

اس طرح، واضح ہوتا ہے کہ علما و مشائخ کا رجحان اردو میں مذہبی لٹریچر شائع کرنے کا رہا۔ ادیبوں اور شاعروں کی کاوشوں سے بھی معیاری ادبی و شعری تخلیقات معرض وجود میں آئیں۔

.....☆☆☆☆☆.....

گلاب سوم

مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت



باب سوم

مولانا علی علی خاں کی حیات و شخصیت

انیسویں صدی کا ابتدائی دور ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے انتہائی پر آشوب دور تھا۔ مسلمانوں میں نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں جو مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مسلمان زبردست کشمکش کا شکار تھے۔ ایک طرف پوری ملت اسلامیہ مذہبی خانہ جنگی کا شکار تھی۔ کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے پورا مذہبی ماحول گرد آلود تھا۔ دوسری جانب انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے اقتدار کے مواقع بڑھا رہے تھے۔ یہ ماحول مسلمانوں کیلئے انتہائی کسمپرسی کا تھا۔ مسلمانوں کے جو نامور علماء اور دانشور تھے ان میں سے بیشتر جہاد آزادی میں کام آگئے تھے اور جو باقی بچے وہ اس مذہبی اور سیاسی بحران سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

اس مسلم مخالف طوفان کو روکنے کیلئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے علوم نقلی و عقلی دونوں میں پوری دستگاہ حاصل ہو اور تمام علوم و فنون میں ممتاز مقام رکھتا ہو۔ جو ایک جانب توحید کی شمع روشن کرے تو دوسری جانب فخر کون و مکارا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارثی کا پرچم لہرائے اور نئی نئی مسلم کش تحریکوں کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری سال میں ایک ایسی ہی گراں مایہ اور عبقری شخصیت نے اس دنیائے آب و گل میں قدم رکھا جسے عالم اسلام مولانا مفتی نقی علی خاں کے نام سے جانتا ہے۔

امام العلماء مولانا مفتی رضا علی خاں کے فرزند مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کی ولادت مسلح جہاد آخر یاغرہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی تعلیم اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی۔ آپ ایام طفلی سے ہی پرہیز گار اور متقی

تھے یہاں کہ آپ امام العلماء مولانا رضا علی خاں رحمہ اللہ کے زیر تربیت رہے جو نامور عالم اور عارف باللہ و درگ تھے جنگی پرہیز گاری کا جوہر مولانا نقی علی خاں کو ورثہ میں ملا تھا اور پھر بفضل ایزدی میلان طبع بھی لکھی کی طرف تھا۔ مولانا نقی علی خاں علم و عمل کے بحر ذخارتھے۔ آپ کی ذات مرجع خلائق و علمائے آپ کی آراء و اقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ مندرجہ ذیل علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

علم قرآن	تاریخ	اخلاق	ہندو
علم تفسیر	لغت	اسما الرجال	علم العقائد و الکلام
حدیث	ادب (مع جملہ فنون)	بدیع	علم نحو
اصول حدیث	تکسیر	منطق	علم صرف
سلوک	فلسفہ	ہیات و حساب	معنی و بیان
تصوف	سیر	علم فرائض	قرأت
مریعات	علم جفر	علم زائچہ	علم توقیت
نظم عربی	نظم فارسی	نظم اردو	نثر عربی
نثر فارسی	نثر اردو	خط نسخ	خط نستعلیق
تلاوت مع تجوید	علم معانی و بیان	فقہ حنفی	فقہ جملہ مذاہب
اصول فقہ	جدل مہذب	مناظرہ ۱	

آپ درج بالا تینتالیس علوم و فنون کے علاوہ منطق و فلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ بعض کے موادات ملے جن کے اول و آخر یا وسط کے اجزاء گم ہو گئے تھے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ موادات کتب کن علوم و فنون سے متعلق تھے۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے عم عصر

علماء نے بھی کیا۔ آپ عالم اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے تاحیات علم و عرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان و قلم کے ذریعہ اشاعت دین اور تاسوس رسالت کیلئے جہادِ قلم کیا۔ آپ کے علم و فضل کی شہادت کیلئے آپ کی تصانیف شاہد و عادل ہیں۔ عوام و خواص کی رشد و ہدایت کیلئے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔

ایک بار امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے لکھا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ اوراق میں جمع کیں۔ جب امام احمد رضا نے اپنا لکھا ہوا فتویٰ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا تو مولانا نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب ورق رد ہو گئے۔ اس طرح کے جملوں کا اثر خود اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:-

"وہی جملہ اب تک قلب میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان

کا اثر باقی ہے۔" ۱

مولانا نقی علی خاں کے علم و فضل، ان کی تبحر علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف پکھوچوی کو کی تھی۔ امام احمد رضا بیان کرتے ہیں:-

"رد و ہایہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ

بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طیب حافظ

کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طیب حافظ

(مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔" ۲

اس طرح مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ علم و عرفان کا مخزن اور رشد و ہدایت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔ قلمی طور پر آپ نے دین مبین کیلئے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم و فضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

۱۔ المملووظ (حصہ اول) از: مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان مطبوعہ: مکتبہ رضا، بریلی ص 85

۲۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شماره فروری، مارچ 94۔ مکتبہ رضا، بریلی، ص 54

عقد اور اولاد

مولانا نقی علی خاں کی شادی مرزا اسفندیار بیگ لکھنوی کی دختر حسینی خانم کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا اسفندیار بیگ کا آبائی مکان لکھنؤ میں تھا مگر آپ نے مع اہل و عیال بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ مسلک سنی تھے۔ ۱

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں:-

1 : احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں

2 : اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

3 : مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

4 : حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں

5 : مولانا محمد رضا خاں

6 : محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں

احمدی بیگم امام احمد رضا خاں سے عمر میں بڑی تھیں۔ آپ کا نکاح یکم ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو غلام دستگیر خاں عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں سے ہوا جو محلہ جوسلی بریلی کے رہنے والے تھے۔ ۲ احمدی بیگم کے دو فرزند مولوی علی احمد خاں اور مولوی علی محمد خاں تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں جن کا عقد مولوی حشمت اللہ تلمیذ مولانا نقی علی خاں سے ہوا تھا۔ مولوی حشمت اللہ خاں علیگزہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ محمودی جان کے ایک فرزند محمد اسحاق اللہ خاں عرف پیارے میاں بیرسٹر پروفیسر علیگزہ تھے۔

احمدی بیگم کے فرزند اکبر علی احمد خاں لاؤلفوت ہوئے اور دوسرے فرزند علی محمد خاں کے

۱۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شماره فروری، مارچ 94۔ مکتبہ رضا، بریلی، ص 54

۲۔ قلمی دستاویز نکاح دختر مولانا نقی علی خاں

صرف ایک دختر ذکیہ سلطانی تھیں۔

2- مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر علی حضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تھے۔ آپ کا نکاح شیخ فضل حسین عثمانی کی دختر ارشاد بیگم کے ہمراہ ہوا تھا۔ شیخ فضل حسین عثمانی کی زوجہ یعقوبی جان تھیں جو غلام فرید خاں کی دختر تھیں۔ غلام فرید خاں، غلام دنگیر خاں کے بیٹے تھے۔ غلام دنگیر خاں شہزادہ مکرم خاں کے بیٹے تھے۔ شہزادہ مکرم خاں، محمد اعظم خاں رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر تھے۔

امام احمد رضا خاں کے دو فرزند تھے۔ پہلے فرزند مولانا حامد رضا خاں جو حجۃ الاسلام کے نام سے معروف ہوئے اور دوسرے فرزند محمد مصطفیٰ رضا خاں تھے جو مفتی اعظم ہند کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا حامد رضا خاں کی شادی کنیر عاتشہ کے ساتھ ہوئی تھی جو مولانا تقی علی خاں کی دختر حجاب بیگم کی بیٹی تھیں۔ مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا عقد اپنے چچا مولانا محمد رضا خاں کی دختر فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوا تھا۔ جبکہ ایک فرزند انوار رضا خاں ۶ جمادی الاول ۱۲۵۰ھ ہفتہ کے دن ظہر کے وقت پیدا ہوئے۔ ایک سال آٹھ ماہ تین دن کی عمر میں ۹ محرم ۱۳۵۲ھ کو شب میں وصال ہوا اور اپنے پردادا مولانا تقی علی خاں کی پاکستی دفن کئے گئے۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند کی سات دختران تھیں۔ جن میں سے ایک صفیہ بیگم ۱۳۴۸ھ کو پیدا ہوئیں اور ۱۳۵۲ھ بروز بدھ ساڑھے بارہ بجے دن فوت ہوئیں اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کی گئیں۔

بقیہ چھ دختران (۱) نگار فاطمہ (۲) انوار فاطمہ (۳) برکاتی بیگم (۴) رابعہ بیگم (۵) ہاجرہ بیگم (۶) شاکرہ بیگم ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔

امام احمد رضا خاں کی پانچ دختران تھیں۔ (۱) مصطفائی بیگم زوجہ حاجی شاہد علی خاں۔ دوسری دختر کنیر حسن تھیں جن کا عقد حمید اللہ خاں بن احمد اللہ خاں سے ہوا تھا جو رئیس اعظم شہر کہنہ کفایت اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ تیسری دختر کنیر حسین کا عقد حکیم حسین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں کے ہمراہ ہوا

تھا۔ کنیر حسین کا انتقال امام احمد رضا خاں کے وصال کے ۲۱ دن بعد ہوا۔ چوتھی دختر کنیر حسین کا عقد مولانا حسین رضا خاں خلف مولانا حسن رضا خاں حسن کے ساتھ ہوا۔ پانچویں دختر مرتضائی بیگم کا عقد مجید اللہ خاں ابن احمد اللہ خاں ابن حاجی کفایت اللہ خاں رئیس شہر کہنہ روہی ٹولہ کے ساتھ ہوا۔

3- مولانا تقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اوسط مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی کی شادی اصغر بیگم دختر علیم اللہ خاں بن شاہ اعظم خاں بن معظم خاں بن سعادت یار خاں بن شجاعت جنگ سعد اللہ خاں کے ہمراہ ہوئی۔ آپ کے تین فرزند (۱) مولانا حکیم حسین رضا خاں (۲) مولانا حسین رضا خاں (۳) فاروق رضا خاں پیدا ہوئے۔ فاروق رضا خاں لاولد فوت ہوئے۔ حکیم حسین رضا خاں نے دوشادیاں کیں۔ پہلی شادی امام احمد رضا خاں کی دختر کنیر حسن سے ہوئی اور دوسری شادی مولانا حامد رضا خاں کی۔ شترام کلثوم سے ہوئی۔

4- حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں کے دو فرزند اور تین دختران تھیں۔ فرزند اکبر واجد علی خاں تھے۔ دوسرے فرزند شاہد علی خاں تھے

5- مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اصغر مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں تھے۔ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ والد ماجد مولانا تقی علی خاں کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کی۔ مولانا محمد رضا خاں کی ایک دختر فاطمہ بیگم تھیں جن کا عقد مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں سے ہوا۔

6- محمدی بیگم کا عقد کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں سے ہوا تھا۔

تذکرہ پسران

مولانا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے تین فرزند تھے جن کے اہل و عیال کا تذکرہ مندرجہ بالا ہو چکا ہے۔ یہاں ہم تینوں پسران کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں۔

علی حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

مولانا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر علی حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۰ اشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ ظہر کے وقت شہر بریلی کے محلہ ذخیرہ میں اہلی والی مسجد کے پاس آپ کے آبائی مکان میں ہوئی۔ ۱۔ آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا تجویز فرمایا۔ ۲۔ آپ کا بچپن بہت ناز و نعم میں گزرا۔ آپ فطری طور پر بہت ذہین تھے اور حافظہ بہت زبردست تھا حقیقت یہ ہے کہ آپ کا بچپن پاکیزہ اخلاق، اتباع سنت اور حسن سیرت سے مزین تھا۔ شروع سے ہی آپ کی پیشانی پر سعادت و ارجوندی کے آثار نمایاں تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی ذہانت و قنات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا علی خاں سے کی۔ ۱۳ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ اسی دن فتویٰ نویسی کا کام سپرد کیا جو تا حیات جاری رہا۔ آپ نے فتویٰ نویسی کے کام میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت سبھی اہل علم سے منوالی۔ آپ نے ابتدائی کتب جن اساتذہ سے پڑھیں ان میں مرزا مولوی غلام قادر بیگ بریلوی

۱۔ الملقوظ (جلد اول) از: مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں مکتبہ رضا، بریلی، ص ۱۵

۲۔ موانع اعلیٰ حضرت از: مولوی بدرالدین اسعد رضا اسلامک مشن، بریلی، ص ۷۷

ہیں۔ ان سے آپ نے میزان مشعب کی تعلیم حاصل کی باقی تمام درسی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالحی راجپوری، سید شاہ ابوالحسن نوری، سید شاہ آل رسول مارہروی شیخ احمد بن زین و حلان مکی، شیخ عبدالرحمن مکی و شیخ حسین بن صالح ہیں۔ ۱۔ امام احمد رضا کی تعلیم کے سلسلہ میں بعض لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام احمد رضا نے فلاں مدرسہ میں تعلیم حاصل کی یا فلاں مولوی سے پڑھا وغیرہ اسی طرح بریلی کالج بریلی کے فارسی کے استاد ایم۔ ایم جلالی نے اپنی کتاب "خرمن شعور" میں لکھا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے مصباح العلوم بریلی میں درس لیا جو بالکل غلط تحقیق کے خلاف اور بے بنیاد ہے۔ ایم۔ ایم جلالی صاحب لکھتے ہیں:-

مدرسہ مصباح العلوم پورے ہندوستان میں مشہور تھا جس کی بابت معتبر روایت میں ہے کہ اسکی بنیاد مولوی قاسم نانوتوی نے رکھی تھی اور یہاں مفسر اعظم مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے عالمی شہرت کے حامل عرصہ دراز تک درس حدیث و قرآن دیتے رہے۔ دنیائے اسلام کے قائد ملت اور امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں جیسے مجتہد شخصیت و جید عالم نے اسی مدرسہ میں فیض شعور و کمال حاصل کیا۔ ۲۔

جلالی صاحب نے امام احمد رضا خاں کا مدرسہ مصباح العلوم میں فیض و شعور حاصل کرنے کا کوئی ماخذ نہیں لکھا اور نہ ہی کوئی ثبوت پیش کیا ہے۔ مصباح العلوم کا ابتدائی نام مصباح التہذیب ہے جو ۱۸۷۲ء میں قائم ہوا۔ امام احمد رضا خاں نے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں تقریباً چودہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس طرح امام احمد رضا خاں نے مصباح التہذیب کے قیام سے تین سال قبل ہی فراغت کی سند حاصل کر لی تھی تو انہوں نے مصباح التہذیب میں کب اور کیسے تعلیم حاصل کی یہ بات سمجھ

۱۔ الاجازت المتینہ از: امام احمد رضا ناشر: ادارہ اشاعت تصنیفات، بریلی، ص ۳۰۵ تا ۳۰۷

۲۔ خرمن شعور از: ایم۔ ایم جلالی مطبوعہ بریلی، ص ۷۶

سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ خود امام احمد رضا خاں نے اپنے اساتذہ کے جو اسمائے گرامی رقم فرمائے ہیں ان میں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہے کہ امام احمد رضا نے نہ ہی مصباح العلوم میں تعلیم حاصل کی اور نہ ہی مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولانا قاسم نانوتوی آپ کے استاد تھے۔

امام احمد رضا خاں نے علوم درسیہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی بھی تحصیل کی۔ حیرت یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے خدا داد ذہانت سے کمال حاصل کیا ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً چوں ہے۔ کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو دور کنار شاید ان کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوں گے۔

شرف بیعت

۵ جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف حاضر ہو کر سید شاہ آل رسول قادری برکاتی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اسی مجلس میں شاہ صاحب نے آپ کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔

زیارت حج

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے پہلا حج اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ ۲۳ ویں سال کی عمر میں ۱۸۷۸ء میں اور دوسرا حج اکیاون سال پانچ ماہ کی عمر میں ۱۹۰۵ء میں کیا۔

حرم مکہ میں امامت

دوران حج مکہ کے جلیل القدر علمائے حنفیہ مثلاً مولانا شیخ کمال مفتی حنفیہ، مولانا

سید اسحاق حافظ کتب حرم خفی نماز کے وقت اپنی جماعت کرتے تھے جن میں وہ امام احمد رضا خاں کو امام بناتے تھے۔

سچے عاشق رسول

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق نبوی سے سرشار تھا، آپ کا سینہ عشق رسول کا گنجینہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-
بجد اللہ اگر قلب کے دو گلوے کئے جائیں
تو خدا کی قسم ایک پر لا الہ الا اللہ اور
دوسرے پر محمد رسول اللہ ہوگا۔

تاجدار علوم و فنون

تحریر، تدریس و تقریر یہ تینوں چیزیں ابلاغ و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہیں۔ امام احمد رضا نے تحریر کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور پوری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ آپ نے چون سے زیادہ علوم پر تقریباً ایک ہزار کتب تصنیف کیں۔ عالم اسلام میں ایسا کوئی عالم نہیں گزرا جو اس قدر علوم و فنون پر دسترس رکھتا ہو۔ امام احمد رضا خاں اپنی ذات سے ایک یونیورسٹی تھے۔ یوں تو امام احمد رضا کے بہت سے علمی امتیازات ہیں لیکن مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قرآنیات

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ کو اردو، عربی، فارسی پر پورا عبور حاصل تھا، آپ نے عشق و محبت کی زبان میں قرآن مقدس کا عظیم المثال اردو ترجمہ کیا جو اردو و نشر کا عظیم شاہکار ہے۔ آپ کے ترجمہ قرآن مجید "کنز الایمان" میں حفظ مراتب کے ساتھ عشق رسول اس طرح جاری ہے جس

طرح لہو شریانوں میں۔ یہ ترجمہ 1911ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اس ترجمہ کی اہمیت و انفرادیت کا اندازہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے اس تبصرہ سے لگایا جاسکتا ہے:-

”امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ اپنی مثال آپ ہے۔ کسی کتاب کا ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینہ سے دل نکال کر دوسرے سینہ میں رکھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں، پھر قرآن مقدس جیسی کتاب کا ترجمہ کرنا اور بھی مشکل ہے۔ ہر ترجمہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معنی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لئے جاتے تھے جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ اور معنی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

اردو کے تمام مترجمین میں امام احمد رضا اس لئے فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کا ذہنی افق نہایت وسیع تھا وہ نہ صرف اردو، عربی زبان داں اور ماہر تھے بلکہ ان علوم و فنون پر بھی دسترس رکھتے تھے جن سے قرآن بحث کرتا ہے۔ ایک مترجم قرآن وہ ہے جس کی نظر عربی، اردو ادب پر بھی ہے، لفظیات، لسانیات پر بھی ہے۔ فقہ پر بھی ہے۔ فلکیات، ریاضیات اور طبیعیات

پر بھی الغرض 55 علوم و فنون پر دستگاہ رکھتا ہے۔ کنز الایمان میں امام احمد رضا کی ذہنی و فکری وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ایک صاحب علم و عمل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اس کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔“ ۱

امام احمد رضا خاں کا اردو ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ عالم اسلام میں انتہائی مقبول ہو چکا ہے اور اب اس کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی ہو رہا ہے چنانچہ پاکستان میں پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے کنز الایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر حنیف قاضی نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو مجلس رضا انجمن کے تعاون سے قرآن کمپنی لاہور نے شائع کیا ہے۔

سائنسی بصیرت

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ کو سائنسی علوم پر بھی انتہائی عبور حاصل تھا جتنا دینی علوم پر۔ آپ کے سامنے چاہے کتنا ہی پیچیدہ سائنسی مسئلہ پیش ہوتا آپ اس کو فی الفور حل کر دیتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی کہ کتابوں کی مدد کے بغیر اس مسئلہ کا حل پیش کر دیتے تھے۔ مثلاً سان فرانسسکو (امریکہ) کے ایک سائنسدان پروفیسر البرٹ ایف۔ پونا کی یہ پیش گوئی کہ 17 دسمبر 1919ء کو آفتاب کے سامنے کئی ستاروں کا اجتماع ہوگا اور ان کی مجموعی کشش کے نتیجے میں دنیا میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً زبردست تباہی مچے گی۔ یہ پیش گوئی ایکسپریس، ماسکی پور، پینس کے 28 اکتوبر 1919ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

امام احمد رضا سے جب اس پیش گوئی پر استفسار کیا گیا تو آپ نے اس پیش گوئی کو توفیقاً رد کیا

اور اس کی روش اردو میں ایک سائنسی رسالہ بعنوان ”معین مبین بھردور شمس و سکون زمین“ (۱۳۳۸ھ) تحریر کیا۔ دنیائے دیکھا کہ البرٹ ایف۔ پوٹا کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو لکھا وہی ظہور میں آیا۔ اس رسالے کے علاوہ آپ نے آئن سٹائن اور آنزک نیوٹن کے خیالات کا بھی تعاقب کیا اور تین مزید سائنسی رسالے تحریر کئے اول الکلمۃ الملمہ دوم فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۳۳۸ھ اور سوم فذول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان ۱۳۳۸ھ مطبوعہ لاہور۔ پاکستان

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا سائنسدانوں کے نظریات کا رد کیا اور قرآن سے ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج دوسرے سیارے زمین کے گرد گردش میں مصروف ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یورنیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر ابراہیم نے ”فوز مبین در رد حرکت زمین“ کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ اٹلی کے طبیعیات مرکز TRIEST میں اس کتاب کے بعض اوراق کا عکس موجود ہے۔ امام احمد رضا نے سائنس، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ علوم پر جو بھی کتابیں لکھیں وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ کو قرآن مجید اور احادیث پر پورا عبور حاصل تھا اور اسی وجہ سے آپ نے قرآن اور سائنس کو کبھی علیحدہ نہیں کیا اور سائنس کے ہر موضوع پر لکھ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تمام علوم وفنون موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کی علم وفن کو مذہب سے علیحدہ نہیں سمجھتے تھے اور اس کا یقین ثبوت یہ ہے کہ جب پروفیسر حاکم علی خاں (م ۱۹۴۴ء) نے جو اسلامیہ کالج، لاہور میں ریاضی کے پروفیسر تھے اور اپنے فن کے ماہرین میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے امام احمد رضا سے نظریہ حرکت زمین سے متعلق استفسار کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا:-

”غریب نواز کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جائیں
تو پھر انشاء اللہ سائنس کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے۔“

امام احمد رضا نے جو جواب لکھا وہ مسلمان سائنسدانوں کیلئے انتہائی قابل غور ہے۔
”محبت فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کیا جائے جا بجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو سائنس کا ابطال و اسکا ت ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنسدانوں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔“ ۱۔

فقیہیات

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا علیہ السلام نے فقہی تحقیقات کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تر بصیرت عطا فرمائی تھی جسکی ایک فقیہ کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمت میں جو بھی مسائل آتے تھے آپ ان کا محققانہ جواب تحریر فرماتے تھے۔ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ فتاویٰ رضویہ ہے جو پانچ ہزار صفحات میں بارہ حصوں پر مشتمل ہے جس میں آپ نے فقہ حنفی کو نہایت مدلل انداز میں قلم بند کیا ہے فتاویٰ رضویہ کے بعد کسی دوسرے مجموعہ فتاویٰ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فتاویٰ رضویہ کا بہت بڑا حصہ اردو زبان میں ہے۔ اس سے قبل اتنا بڑا اور اتنا مدلل مجموعہ فتاویٰ اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ امام احمد رضا سے جس زبان میں سوال کیا جاتا تھا آپ اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بقول ڈاکٹر حسن رضا خاں

”اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کی بارگاہ میں جس زبان میں استفسار کیا جاتا تھا اسی زبان میں فتویٰ صادر فرماتے تھے حد یہ ہے کہ اگر کسی نے منظوم سوال کیا تو جواب بھی منظوم ہی دیا۔ منظوم سوال جس بحر میں ہے جواب کیلئے بھی اسی بحر کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس سے زبان پر قدرت اور قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے مندرجہ ذیل زبانوں میں جواب دیئے گئے (۱) اردو و نثر و نظم (۲) فارسی (۳) عربی (۴) انگریزی۔“ ۱

مجدد امام احمد رضا کی فقیہانہ بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فتاویٰ میں دلائل کی کثرت ہے ایک ایک استفتا کے جواب میں دلائل کے انبار لگادینے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مسائل جدیدہ کا حل بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑے استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مثلاً بعض مصنوعات میں شراب کی آمیزش یا کسی اور حرام چیز کی آمیزش کا شبہ ہو اس کا کیا حکم ہوگا؟ ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ریڈیو وغیرہ کی خبروں کا اعتبار ہوگا کہ نہیں؟ ان سے قرآن حکیم کی تلاوت سننا اور آیت مجیدہ پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح حکومتوں کے تغیر سے ہندوستان وغیرہ کو دارالحرب مانا جانے یا دارالسلام؟ اس طرح کے ہزاروں مسائل کا حل امام احمد رضا نے بڑے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

امام احمد رضا کے دور کے مشاہیر علماء و فقہاء جو خود مرجع فتویٰ اور ماہر فقہ تھے انہوں نے بھی امام احمد رضا سے استفادہ حاصل کیا۔ یہ سلسلہ پاک و ہند تک ہی نہیں بلکہ جاز مقدس تک کے علمائے کرام نے بھی استفادہ حاصل کیا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں جب آپ دوبارہ حج کیلئے گئے تو حرم شریف میں قاضی مکہ مفتی حنفیہ، حضرت مولانا صالح کمال دہلوی سرہ نے علم غیب سے متعلق پانچ سوال کئے۔ آپ نے صرف آٹھ گھنٹے میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے انتہائی مدلل جواب ”الدولة المکیہ بالمادات الغیبیہ“

رسالہ لکھا اس کے علاوہ حرم شریف میں ہی خطیب حرم مولانا عبداللہ اور مولانا حامد محمد احمد نے استفتائیں کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے جواب میں قوت استدلال کو دیکھ کر مکہ معظمہ کے اکابر علماء و فقہاء بھی عیش عیش کرا گئے۔

امام احمد رضا اور عشق رسول

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشق رسول کا آئینہ ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول سے سرشار ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری عشق رسول کا مظہر ہے۔ امام احمد رضا خاں ؒ نعتیہ شاعری میں بھی امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔

جملہ اصنافِ سخن میں نعت گوئی انتہائی دشوار گزار فن ہے۔ نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکارِ مدینہ ﷺ کی محبت کا گنجینہ ہو اور علم شریعت سے پوری طرح واقفیت ہو۔

امام احمد رضا کا مجموعہ ”نعت“ ”حدائق بخشش“ عشق حبیب کی شعری تصویر ہے اور قرآن و حدیث کے مطابق ایسے سلیقہ سے آراستہ کیا ہے کہ شاعرانہ عظمت کی تصویر منہ سے بول رہی ہے۔ آپ نے دارِ فقیہ شوق کے باوجود ہوش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہر طرح سے نعت کے آداب ملحوظ خاطر رکھے۔

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا کا شعر و سخن میں کوئی استاد نہیں تھا ان کے سامنے شاعر ہی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عاشقانہ کلام اور محبت رسول پر جان نچھاور کر دینے والی زندگی آپ کے سامنے تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو

نقش قدم حضرت حسان بس ہے

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ؒ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میدان میں خوب داد تحسین حاصل کی۔ آپ کے اشعار کے ہر ہر لفظ سے رسول اللہ ﷺ کی الفت و محبت کا سند در

مہم ہون ہے۔ ایک محب صادق محبوب کی بارگاہ میں لغو و محبت اس طرح پھینکتا ہے۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے

تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

امام احمد رضا کے کلام سے خلوص و محبت کی خوشبو آتی ہے وہ اپنے درد کا مداوا اور غمخوار سرکار انبیاء کو سمجھتے ہیں یہی آپ کا ایمان ہے۔

انہیں کی بو مایہ سخن ہے، انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے

انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے چار زبانوں میں ایک نعت کہی اس سے پہلے امیر خسرو نے تین زبانوں میں غزل ضرور کہی لیکن اس میں وہ مضمون آفرینی، بندشوں کی چستی اور گداز کی کیفیتیں نظر نہیں آتیں جو کلام رضا میں ہیں۔

لم یات نظیرک فی نظیر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

امام احمد رضا اردو کے پہلے نعت گو شاعر ہیں جنہوں نے مجازیہ شاعری کی طرف قطعی توجہ نہیں دی کیونکہ ان کے نزدیک مجازیہ شاعری محمود نہیں تھی۔ مجازیہ شاعری کے بارے میں آپ کا ذوق یہ تھا کہ مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد تجدید و وضو مستحب ہے۔ جیسے حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینا مکروہ ہے، ان کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر وضو کرنا مستحب ہے اسی طرح مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد امام احمد رضا کے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”حمد، نعت، منقبت کے علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنے

کے بعد تجدید وضو مستحب ہے۔“ ۱۔

مولانا صرف حمد، نعت و منقبت کو ہی مستحسن سمجھتے ہیں اور ان کے ریاض شعری نے حمد، نعت، منقبت کا ہی احاطہ کیا ہے۔ عشق نبوی کی شدت آپ کی حمد میں بھی نمایاں ہے جسکی مثال اردو کی نعتیہ شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی۔ مولانا فرماتے ہیں

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا

تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا

امام احمد رضا کی وجدانی شاعری پر پروفیسر الہی بخش اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:-

”ان کے جذب دروں نے ان کے کلام کو سوز و ساز بخشا

اور ان کے علم و فن نے ان کے پیرایہ اظہار کو جلا بخشی۔ مولانا

ایک طرف عاشق صادق تھے تو وہیں دوسری طرف علوم دینی و

دنیوی کی گہرائی و گیرائی، فکری و فنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت

عالمانہ تیجہ نے ان کے کلام کو لافانی بنا دیا ہے۔“ ۲۔

نثر نگاری

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا کو نظم کی طرح نثر پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ آپ زبردست کہنہ مشق ادیب اور نثر نگار تھے۔ آپ کی تحریر میں بلا کی سلاست و روانی ہے۔ بر محل شیریں الفاظ کا استعمال، استعارات کی جودت، ان کے حسین انداز بیان اور نفاست جذبات کا آئینہ دار ہیں۔ جب ایک عیسائی نے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کی گستاخی کی تو آپ نے اپنی کتاب

”الصمصام“ میں میسائیوں کے عقائد پر اس طرح تبصرہ کیا:-

”خدا را انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کوون۔ ایک اور تین میں فرق نہ جائیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر ان تینوں کو ایک ہی جائیں۔ بے مثل بے کفو کیلئے جو رو بتائیں بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی پاک بندی، ستھری کنواری ماں و پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جو رو ہونے کی تہمت لگائیں۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی۔ باپ خدا اور بیٹا کس کھیت کی مولیٰ، باپ کے جہنم کو بیٹے سے ہی لاگ۔ سرکشوں کی چھٹی۔ بے گناہ پر آگ۔ امتی ناجی، رسول ملعون۔ معبود پر لعنت، بندے مامون۔ تفت تفت۔ وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف اف وہ گندے جوانیاء رسل پر الزام لگائیں کہ بھٹکی چمار بھی جن سے گھن کھائیں۔ سخت بخش بیہودہ کلام گزھیں اور کلام الہی ٹھہرا کر پڑھیں۔

زہ زہ بندی! خدہ تعظیم۔ پیہ پتہ ندیب تہ تعلیم۔ ۱

مذکورہ بالا اقتباس پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کے قلم میں بلا کی روانی اور فکر کی جولانی ہے جو برسوں ریاض کے بعد بھی شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایک مفتی سے زیادہ قادر الکلام ادیب معلوم ہوتے ہیں۔

سفر آخرت

آپ نے ۲۵ مفر ۱۳۴۰ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعہ وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ قبل تجہیز و تکفین سے متعلق ضروری وصیت جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے قلم بند کرائے۔

عین اذان جمعہ میں ادھر جی علی الفلاح کی آواز سنی ادھر روح پر فتوح نے داعی الی اللہ پر لبیک کہا۔ ۱۔
اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا علیہ السلام کی شخصیت ایسی عبقری اور تابناک ہے کہ آج اندرون و بیرون ملک بہت سے ادارے اور یونیورسٹیاں ان پر تحقیقی کام کر رہے ہیں جن میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ادارے

- (1) : ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)
- (2) : معارف رضا، لاہور (پاکستان)
- (3) : مرکزی مجلس رضا، لاہور، مانچسٹر انگلینڈ
- (4) : ادارہ امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)، بریلی (انڈیا)
- (5) : مجمع الاسلامی، مبارکپور
- (6) : رضا اکیڈمی، بمبئی۔

یونیورسٹیاں

لندن یونیورسٹی	لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ	شکاگو یونیورسٹی
کیاٹھورنیا یونیورسٹی	الائزہ یونیورسٹی مصر	عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن)
جہلپور یونیورسٹی	مسلم یونیورسٹی علیگزہ	کراچی یونیورسٹی پاکستان
حیدرآباد یونیورسٹی	کلکتہ یونیورسٹی	پٹنہ یونیورسٹی (بہار)
پنجاب یونیورسٹی ۱۔ اور	روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی	

بریلی کالج بریلی میں شعبہ اردو کے سابق ریڈر، عاشق رسول، شیدائی امام احمد رضا، محبت اردو حضرت نواب حسن خاں نظامی صاحب جب روہیلکھنڈ یونیورسٹی میں نصاب کمپنی کے کنوینئر مقرر ہوئے تو آپ نے اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ یونیورسٹی کے ایم۔ اے اردو کے نصاب میں نعت گوئی کے

امام احمد رضا خاں اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلام کو شامل کیا۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا کے علمی مآثور پرچہ میں کسی ایک مصنف کے تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کے تحت امام احمد رضا کا نام گرامی اور آپ کا نعتیہ کلام ”حدائق بخشش“ کو نصاب میں داخل کیا۔ اس طرح اردو کے ہزاروں طلباء و طلبات یونیورسٹی میں امام احمد رضا کے علمی و ادبی کارناموں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

حضرت نظامی صاحب کا یہ کارنامہ ایسا ہے جس کی نظیر ہندوپاک کی کسی یونیورسٹی میں نہیں ملتی

مولانا حسن رضا خاں

مولانا حسن رضا خاں، مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے فرزند تھے۔ مولانا حسن رضا خاں کی ولادت ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو محلہ سوداگران، بریلی میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کی خبر جہاد امجد امام العلماء حضرت علامہ رضا علی خاں کو دی گئی تو آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا ”یہ میرا بیٹا مست ہوگا“ امام العلماء کا یہ قول بالکل سچ ثابت ہوا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر شمیم گوہر لکھتے ہیں:-

”عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے

حضرت حسن خود بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی

مست و بخود کرتے رہے۔“

مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تربیت مکمل طور پر اپنے والد بزرگوار مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور برادر اکبر مجدد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ شرف بیعت خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری سے حاصل کیا تھا۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا نے دارالعلوم منظر اسلام بدیلی کا پہلا مہتمم آپ کو ہی نامزد کیا تھا۔ آپ نے ”مطبع اہل سنت و جماعت“ قائم کیا جس میں امام احمد رضا اور دوسرے علماء کرام کی کتب طبع ہوتی تھیں۔ ایک شعری گلدستہ ”بہار بے خزاں“ اور ایک

ہفتہ وار اخبار ”روز افزوں“ آپ کی گرامی میں شائع ہوتا تھا۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا۔ استاد داغ کی شاعری کا شہرہ چاروں طرف تھا چنانچہ حسن بریلوی نے داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ مشہور زمانہ اردو شاعر علامہ سری رام لکھتے ہیں:

”جس زمانہ میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ

(حسن بریلوی) ان کے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک

دو مہینہ ان کی خدمت میں رہ کر صحبت سے مستفیض

ہوتے رہے۔“

امام احمد رضا کی تحریک ”تحفظ ناموس رسالت“ سے متاثر ہو کر مجازی اور رومانی شاعری کو ترک کر کے نعت گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اس صنف سخن میں اپنے برادر اکبر حضرت امام احمد رضا سے مستفیض ہوئے۔ خود امام احمد رضا خاں اپنے برادر اصغر حسن رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت

کے دائرے میں ہے ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول

بتا دیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام

اسی اعتدال و معیار پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا مجھ

سے دریافت کر لیتے۔“

آپ کا مجموعہ غزل ”ثمر فصاحت“ کے نام سے شائع ہوا۔ مجموعہ نعت ”ذوق نعت“ اور ”نگارستان لطافت“ کے نام سے شائع ہوئے جن کو خوب شہرت ملی۔

مولانا حسن رضا خاں بہترین قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے۔ اگرچہ آپ کی نثری تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں ہے تاہم جو بھی تصانیف ہیں اردو نثر کی تاریخ میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے دور کی روش سے ہٹ کر جدید طرز اختیار کیا۔ مولانا حسن

رضائی طرز نگارش کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا عبدالوحید بیگ لکھتے ہیں:-

”ان (حسن رضا) کے مضامین انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پراثر ہوتے تھے۔ ان کے یہاں سادگی ہے، سلاست ہے، تصنع اور تکلف ان کی نثر میں نہیں۔ وہ بے تکلف لکھتے ہیں۔ بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام اور مقبولیت عطا کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔“ ۱

آپ کا وصال ۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ مطابق 1908ء میں ہوا اور اپنے والد کے مقبرہ کے جانب شرق اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کے جنازہ کی نماز اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا نے پڑھائی اور اپنے دست شفقت سے قبر میں اتارا۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی، کچھ شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

حکیم سید برکت علی نائی بریلوی، حافظ احمد محشر، سید محمود علی عاشق، مولانا ہدایت یار خاں قیس، منشی اختر حسین، منشی برج موہن کشور، منشی مظہر حسین مظہر، سید مسعود غوث فیض، منشی تہور علی تہور، محمود حسین اثر بدایونی، اعجاز احمد قیصر مراد آبادی، منشی دوار کا پر سادہ عالم جمیل بریلوی

حسن بریلوی کی تصانیف

حسن بریلوی صاحب تصنیف، جید عالم اور عاشق رسول نعت گو تھے۔ آپ کی تصانیف میں ”دیوان عاشق“ کے علاوہ باقی کل کتابوں پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف شائع ہو چکی ہیں:-

(۱) ترک مرتضوی در اثبات تفضیل شیخین

(۲) نگارستان لطافت در ذکر میلا و شریف

(۳) بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی

(۴) آئینہ قیامت در ذکر کربلائے معلی

(۵) دین حسن در حقانیت اسلام

(۶) وسائل بخشش در ذکر کرامات غوث اعظم

(۷) ذوق نعت پہ صلوٰۃ آخرت مجموعہ نعت (اردو)

(۸) شمر فصاحت کلام مجاز اردو مع قند پارسی

آپ کی ابتدائی چھ کتابیں آپ کی حیات میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ ”دیوان نعت“ زیر طبع تھا کہ سفر حج سے واپس آ کر انتقال فرمایا ”دیوان عاشق“ آپ کے انتقال کے بعد ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا۔

نمونہء کلام

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں شار مدینہ
کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا
تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو اللہ کو معلوم ہے کیا جائے کیا ہو
آپ کہتے ہیں جاؤ دیکھ لیا دل ترا کہیے تو اپنے سوا دل میں میرے کیا دیکھا

مولانا محمد رضا خاں

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا محمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے تعلیم و تربیت اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مولانا محمد رضا خاں جید عالم تھے اور علم الفرائض میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ دارالافتاء بریلی میں جب کثرت سے فتوے آنے لگے تو علم الفرائض سے متعلق فتوؤں کا جواب مولانا محمد رضا خاں لکھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم الفرائض سے شغف خاص تھا

مولانا محمد رضا خاں کی شادی سکینہ بیگم دختر غلام علی خاں ساکن غولہ قطب بریلی سے ہوئی۔ علم و فضل کے علاوہ حسن انتظام میں نکتائے زمانہ تھے۔ امام احمد رضا خاں کے آپ اس طرح قوت بازو بنے کہ اپنی جاگیر کے علاوہ امام احمد رضا کی جاگیر کا انتظام بھی آپ ہی کرتے تھے۔ آپ نے امام احمد رضا خاں کو خدمت دینی کیلئے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ آپ کاشت و زراعت کے علاوہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء فراہم کرتے تھے حتیٰ کہ امام احمد رضا کی دختران کی شادیوں کا اول تا آخر خود ہی انتظام کرتے تھے۔ ان تمام امور میں وہ خود مختار تھے اور امام احمد رضا ان پر کلی طور پر اعتماد رکھتے تھے۔ ترکہ و وراثت کے فتوے لکھنے کے علاوہ آپ امام احمد رضا کی تصنیفات ملاحظہ کرتے اور ان کی تصدیق و تائید کرتے۔ امام احمد رضا کی کثیر تصانیف پر آپ نے تائیدی و تصدیقی دستخط کیے ہیں۔ آپ کا وصال 15 اکتوبر 1939ء کو ہوا۔ اور اپنے آبائی قبرستان میں جانب شرق لب شریک دفن کئے گئے جس پر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں سے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ حیات العلویہ میں مولانا محمد رضا خاں کو مولانا نقی علی خاں کے تلامذہ میں شامل کیا گیا ہے جبکہ مولانا محمد رضا خاں اپنے والد مولانا نقی علی خاں کے انتقال کے وقت صرف چار سال کے تھے۔ (ممکن ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے آپ کی بسم اللہ کرائی ہو اس اعتبار سے آپ کو مولانا نقی علی خاں کا شاگرد کہا جاسکتا ہے) حالانکہ آپ کو اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا خاں سے ہی شرف تلمذ حاصل تھا

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب و خاندان

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا نسلی علاقہ افغانیوں کا معروف قبیلہ بھڑیچ ہے۔ قبیلہ بھڑیچ افغانیوں کا معزز و موثر قبیلہ ہے جس میں جلیل القدر علماء صوفیاء مشائخ ہوئے۔ ان کے مزارات افغانستان و ہندوستان میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ قبیلہ بھڑیچ کا مستند شجرہ اس قبیلہ کے معروف صاحب علم و فن والی، روٹیکھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے اپنی معروف تصنیف "خلاصۃ النسب" میں حضرت آدم علیہ السلام تک درج کیا جو مندرجہ ذیل ہے:-

ابو البشر صفی اللہ حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت شیث رحمۃ اللہ علیہ ← انوش ← قینان ← مہلحیل ← پیارو ← حضرت ادریس رحمۃ اللہ علیہ ← ملک مثلاًشخ ← لائک ← حضرت نوح رحمۃ اللہ علیہ ← سام ← ارفخشذ ← شالخ ← عابد ← حضرت ہود رحمۃ اللہ علیہ ← شروع یا اشرف ← ماخود یا ناخود ← تارخ ← خلیل اللہ سیدنا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت سیدنا اخیل رحمۃ اللہ علیہ ← حضرت سیدنا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ ← یہودا ← روبیل ← طلص ← عتبہ ← قیس ← سارد المقلب بہ ملک طالوت ← افغہ یا یارمہ ← سلیم یا سلم ← مندول ← ارزند ← تارج ← عامیل ← لوکی ← طلیل ← صہب ← ابی ← قمر ← ہارون ← اشول ← علم یا علیم ← قبل ← متہال ← حدیفہ ← عمال ← کرم ← فیلول ← عثم ← شیر ← قلع ← نصرت ← نخل ← شرود ← اشعث ← اکرم ← نعیم ← اشواکیل ← نصر ← قارون ← صلاح ← سلم ← بہلول ← عینین ← زمان ← ملک اسکندر ← ملک جلندور ← مرہ ← نعیم ← عتبہ ← سلول ← عیص ← حضرت قیس عبدالرشید ← ابراہیم عرف سرزمین ← شرف الدین عرف شرنوبون ← بھڑیچ ← داؤد خاں ← دولت خاں ← یوسف خاں قندھاری ← عبدالرحمن ← شجاعت جنگ سعید اللہ خاں قندھاری ← محمد سعادت یار خاں ← مولانا حافظ کاظم علی خاں ← مولانا شاہ محمد اعظم خاں ← امام العلماء مولانا رضا علی خاں ← رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خاں ۱

قبیلہ بھڑیچ میں مندرجہ ذیل انبیائے کرام ہوئے:-

- (۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت شیث علیہ السلام (۳) حضرت اور لیس علیہ السلام (۴) حضرت نوح علیہ السلام
(۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۷) حضرت اسحاق علیہ السلام (۸) حضرت یعقوب علیہ السلام
افغانیوں میں اسی وجہ سے قبیلہ بھڑیچ کو موقر، معزز اور مقدس سمجھا جاتا ہے۔
قبیلہ بھڑیچ کے معروف بزرگوں کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:-

ملک طالوت

یعقوب علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ملک طالوت پیدا ہوئے۔ آپ بھی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے۔ آپ نے بنی اسرائیل کو متحد کر کے کفار وقت سے جنگ کی۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ کفار وقت کو شکست دینے کے بعد امور سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے سپرد کئے اور اپنی بیٹی کا عقد بھی حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا اور خود جذبہ شہادت سے سرشار کفار سے جنگ میں مصروف ہوئے اور منزل مقصود کو پہنچے۔ ملک طالوت کے بیٹے ارمیہ تھے جو نہایت اولوالعزم تھے۔ ارمیہ کے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام افغنہ رکھا گیا۔ افغنہ ملک طالوت کے پوتے تھے آپ کی اولاد افغان کہلائی۔

افغنہ

حضرت ملک طالوت کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند ارمیہ کی سرپرستی حضرت داؤد علیہ السلام نے کی اور فوج کا سپہ سالار بنایا۔ آپ انتہائی شجاع اور دلیر تھے آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے مخالفین کی سرکوبی کی۔ ارمیہ کے انتقال کے بعد افغنہ اپنے والد کے جانشین اور فوج کے سپہ سالار ہوئے۔ آپ کو شجاعت و جرأت کا جو ہر درجہ میں ملا تھا لہذا تمام جنگوں میں فتح آپ کی ہم سفر رہی۔ افغنہ سلیمان علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کے دور اقتدار میں اعلیٰ خدمات پر مامور تھے۔ افغنہ سے نسی علاقہ رکھنے والے افغان کہلائے۔

افغنہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد نے بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ کو اپنا مسکن بنایا جو سلیمان علیہ السلام کی مناسبت سے کوہ سلیمانی کہلایا۔ ۱۲۳۹ قبل ہجری بخت نصر کے ظلم سے گھبرا کر کوہ سلیمانی کے ساکنان نے راہ ہجرت اختیار کی اور ملک خراسان میں بود و باش اختیار کی۔ گردش زمانہ سے متاخر ہو کر افغان قبیلہ ملک ”رود“ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ”رود“ ایک وسیع کوہستانی سلسلہ افغانستان میں ہے۔ شمال میں کوہ کا شغر جنوب میں بلوچستان، مشرق میں کشمیر کے پہاڑ اور مغرب میں دریائے اہمند جو قندھار کے قریب ہے، تک پھیلا ہوا ہے۔ علاقہ ”رود“ میں ہجرت کے اکتیسویں سال میں افغانی قبیلہ کے سربراہ قیس عبدالرشید مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قیس عبدالرشید

قیس عبدالرشید کا نسبی علاقہ افغنہ سے ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب 43 واسطوں سے افغنہ اور 45 واسطوں سے حضرت ملک طالوت سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عیص تھا۔ آپ افغانیوں کے سردار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دعوت پر آپ افغانیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیس عبرانی لفظ ہے اور میں عرب ہوں لہذا حضور ﷺ نے آپ کا نام ”عبدالرشید“ رکھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیس عبدالرشید سے فرمایا: تم ملک طالوت کی اولاد ہو جنکو اللہ تعالیٰ نے ”ملکی“ خطاب سے یاد فرمایا اس لئے تم کو بھی ملک کہا جائے۔ اس طرح آپ کو بارگاہ نبوت سے ”ملک“ کا خطاب عطا ہوا۔ انہی ایام میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کی رغبت فرمائی اور ملک عبدالرشید کو افغانیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں اپنے لشکر کے ہراول میں مقرر کیا فتح مکہ کی جنگ میں افغانیوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید نے اس جنگ میں ستر کفار کو واصل جہنم کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید اور آپ کے ساتھیوں کی جرأت و شجاعت سے حضور نبی اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور

وہاں خیر کے ساتھ فرمایا کہ عبدالرشید کی اولاد سے سلسلہ عظیم پیدا ہوگا جو قیامت تک دین کو مستحکم رکھے گا اور اس قوم کا استحکام اس لکڑی کے مثل ہے جس پر جہاز کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس لکڑی کو بتان کہتے ہیں۔ ۱۔

پٹھان

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ملک عبدالرشید کی اولاد کیلئے فرمایا تھا کہ یہ دین کو مستحکم کرے گی اور اس قوم کا استحکام بتان کی مانند ہے۔ اس لئے قیس عبدالرشید "بتان" کے نام سے مشہور ہوئے۔ لفظ بتان آہستہ آہستہ زبان زد عام ہو کر "پٹھان" بولا جانے لگا اور حضرت ملک عبدالرشید سے کسی علاقہ رکھنے والے پٹھان کہے جانے لگے۔ ۲۔

حضرت ملک عبدالرشید کا عقد حضرت خالد بن ولید کی دختر مطاہرہ کے ساتھ ہوا۔ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم سرزمین تھے۔ آپ کا وصال ستاسی برس کی عمر میں ہوا۔

حضرت ابراہیم سرزمین

حضرت ابراہیم سرزمین انتہائی تقی، پرہیزگار اور حلیم الطبع تھے۔ اسلئے آپ کی عرفیت سرزمین ہوئی کیونکہ پشتو زبان میں سرزمین کے معنی "حلیم الطبع" کے ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے حضرت شرجون المعروف بہ شرف الدین کے بیٹے بھڑیچ ہوئے۔ ۳۔

آپ ہی قبیلہ بھڑیچ کے مورث اعلیٰ ہوئے۔ قبیلہ بھڑیچ قندھار کے پشتین اور شوراوک کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوا اور اپنی شجاعت و جوانمردی اور عزم و استقلال سے قندھار پر برسر اقتدار ہو گیا۔ قندھار اور افغانستان پر سینکڑوں سال تک قبیلہ بھڑیچ کی حکمرانی رہی۔

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں

آپ قبیلہ بھڑیچ کے معزز سردار تھے۔ آپ نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر 1731ء میں حملہ کیا تھا۔ نادر شاہ ہندوستان کو تیس تیس کر کے واپس چلا گیا لیکن شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ محمد شاہ نے آپ کو لاہور کا شیش محل بطور جاگیر عطا کیا جس میں آپ قیام فرما ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو منصب شش ہزاری بھی دیا اور شجاعت جنگ کے خطاب سے نوازا اور ریاست رامپور کے بہت سے مواضع معافی و دوائی عطا کیے۔ آپ کے فرزند سعادت یار خاں سعادت مند تھے جن کے سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت شجاعت جنگ سعید اللہ خاں نے دربار شاہی سے علیحدگی اختیار کر لی اور باقی عمر یادالہی میں متوکلانہ زندگی بسر کی۔ ۱۔

آپ ہی مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ کے جد امجد ہیں جو اس خاندان کو ہندوستان میں لانے اور آباد کرنے کے بانی ہیں۔

سعادت یار خاں

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں کے سعادت مند فرزند سعادت یار خاں محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو کر وزیر مال کے منصب پر فائز کئے گئے۔ آپ کو بادشاہ ہند محمد شاہ نے کچھ مواضع رامپور میں عطا کیے۔ 1857ء کی شکست کے بعد انگریزوں نے اس جاگیر کو ضبط کر لیا اور ریاست رامپور میں ضم کر دیا۔ ۲۔

علاقہ کلیمبر جو بعد کو روہیلکھنڈ مشہور ہوا سلطنت دہلی کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ گئی تو سلطنت دہلی نے روہیلکھنڈ کے باغیوں کے خلاف تادیبی کارروائی کیلئے فوج کشی کا ارادہ کیا اور اس مہم کو سر کرنے کیلئے قرعہ فال سعادت یار خاں کے نام نکلا۔ سعادت یار خاں نے جہلی شجاعت اور جنگی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔ انجام کار 2 جون 1745ء کو روہیلوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نواب علی محمد خاں

بادشاہ کے دربار ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ اس طرح فتح بریلی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ شاہ نے مسرور ہو کر آپ کو بریلی کا صوبیدار بنانے کا فرمان جاری کر دیا لیکن فرمان شاهی ایسے وقت ملا کہ آپ بستر مرگ پر تھے اس لئے بریلی نہ صوبہ بن پایا اور نہ آپ صوبہ دار بن پائے۔ ۲

سعادت یار خاں نے اپنے دور وزارت میں دہلی میں دو نشانیاں چھوڑیں اول: بازار سعادت سنج دوم: سعادت منہر حوادث روزگار کے دست ستم سے ان دونوں میں سے کوئی نشانہ نہ بچ سکی۔ مولانا علی خاں علیہ السلام کے پوتے مولانا حسنین رضا خاں کا قول ہے کہ

”سعادت یار خاں کی مہر وزارت ان کی جوانی کی عمر تک خاندان میں موجود تھی اور انہوں نے اس مہر کو دیکھا بھی تھا۔ ۳

مولانا حسنین رضا خاں 1892ء میں پیدا ہوئے اگر ان کی جوانی کی عمر چالیس سال مان لی جائے تو اس طرح 1932ء تک سعادت یار خاں کی مہر وزارت آپ کے خاندان میں موجود تھی۔ اس دور میں عبدالعزیز خاں عاصی ”تاریخ روہیلکھنڈ“ مرتب کر رہے تھے انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں سے اس تاریخ کی ترتیب میں معاونت کی استدعا کی تھی۔ مفتی اعظم ہند نے اس خاندان میں محفوظ شاهی دور کے سکے اور مہریں ان کو دی تھیں۔ ان میں سے کچھ سکوں کے عکس کو مولانا عاصی نے ”تاریخ روہیلکھنڈ“ میں حضور مفتی اعظم ہند کے حوالے سے شائع کیا۔ وہ سکے اور مہر عاصی بریلوی نے واپس نہیں کیے اور برائے وضع داری حضور مفتی اعظم ہند نے واپس بھی نہیں مانگے۔ آخر عمر میں عبدالعزیز خاں عاصی مفلوک الحال ہو گئے تھے اور بریلی کے محلہ کنگھر میں لب سڑک ایک جمو نیڑی میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً یہ سکے اور مہر اس عاصی بریلوی کی مفلوک الحالی کی بحیثیت چڑھ کر کسی سونا رکی بھٹی کی ستم کاری کا شکار بن گئے۔

سعادت یار خاں کے تین فرزند شہزادہ محمد اعظم خاں، شہزادہ محمد معظم خاں اور شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔

حضرت مولانا محمد اعظم خاں

سلطان محمد شاہ کے وزیر دولت سعادت یار خاں کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد اعظم خاں تھے۔ آپ بھی دربار شاهی سے وابستہ تھے اور دربار شاهی سے منصب ملا تھا لیکن آپ کا میلان طبع دربار شاهی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے آپ نے جلد ہی درباری مراعات و مناصب سے کنارہ کشی اختیار کر لی چونکہ آپ کی طبیعت مائل بہ زہد تھی اس لئے آپ نے امور دنیا سے سبکدوش ہو کر زہد ریاضت کی راہ لی۔ ساری عمر یاد الہی میں گزاری۔

اعظم خاں نے دو شادیاں کیں۔ زوجہ اولیٰ سے حافظ کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحبزادیاں تھیں جن میں ایک کا نام فہمیدہ بیگم تھا جن کا عقد ولی محمد خاں رفیع کے ہمراہ ہوا تھا۔ فہمیدہ بیگم کا انتقال 1838ء میں ہوا۔

محمد اعظم خاں نے اپنی رفیقہ حیات سلطان خانم کے نام سے دہلی میں ۲۹ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ کو کٹھرا خریدا۔ یہ کٹھرا تھتہ جال فار خاں لاہوری دروازہ میں واقع تھا۔ اس کٹھرہ کے حدود اور بعد درج ذیل ہیں:

شرق: شارع عام ولند الباب غرب: حویلی درٹا جوالا ناتھ تھتہ کٹھرا کو والے

جنوب: حویلی شاہ غلام حسین وغیرہ شمال: حویلی مشرکہ بدئی دوار کا داس

اسی مقام پر اعظم خاں کی ایک حویلی بھی تھی جیسا کہ مذکورہ کٹھرے کے حد شمال سے واضح ہے غالباً اسی حویلی کا نصف حصہ اعظم خاں نے دربار شاهی سے قطع تعلق کرنے کے بعد دوار کا داس کے ہاتھ بیچ دیا اور نصف حصہ میں خود سکونت پذیر تھے۔ محمد اعظم خاں، صاحب جائیداد آدمی تھے انہوں نے اپنی بیوی کی جائیداد کی دیکھ بھال کیلئے مختار کارولی محمد خاں شوہر فہمیدہ بیگم دختر خود کو مقرر کیا تھا۔ مذکورہ کٹھرہ کی ملکیت کے تنازعہ سے متعلق ایک مقدمہ نمبر 55، 1845ء دہلی کی دیوانی کچہری میں 28 اپریل 1845ء کو صدر الصدور مولوی صدر الدین خاں کی عدالت میں شجاعت علی خاں نے اعظم خاں کے

پوتے رضا علی خاں کے خلاف دائر کیا تھا اس مقدمہ کے فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اعظم خاں کا انتقال 1815ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ مفتی صدر الدین کی عدالت سے وراثت کی بنیاد پر مذکورہ کٹہرہ اعظم خاں کی ملکیت قرار دیا گیا جس کو انہوں نے مسماۃ امتیاز بیگم زوجہ عطا اللہ خاں کے حق میں بیع کر دیا تھا۔ اعظم خاں کے بعد ان کے بیٹے کاظم علی خاں نے 7 مارچ 1829ء کو سعد اللہ خاں جو اعظم خاں کے پر نواسہ تھے کو بمقتار عام مقرر کیا۔

اعظم خاں نے تارک الدینا ہونے کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر دی اور بریلی کے محلہ سمہاران کو اپنا جائے مسکن بنایا جس جگہ آپ نے قیام کیا شہزادہ کے نکلیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نکلیہ کے گوشہ میں مدفون ہوئے۔ ”تذکرہ جمیل“ کے مصنف اعظم خاں کے متعلق لکھتے ہیں:

”اعظم خاں نے منصب وزارت سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی۔ وادی میں قدم رکھا اور ملک کو چھوڑ کر مالک الملک کو اپنانے کی ادبھی اور سمدانی مثال ایک بار پھر پیش کی اور حکومت کی کرسی سے الگ ہو کر قبرستان کو اپنا مسکن بنایا۔“

مولانا حافظ کاظم علی خاں

سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا جس کی وجہ سے حافظ کاظم علی خاں سلطنت اودھ سے وابستہ ہو گئے۔ فرض منصبی کی ادائیگی کی اور عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کے صلہ میں آپ کو سلطنت اودھ سے بدایوں کا نظم و نسق سپرد کیا گیا۔ دو سو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہتی تھی۔ آٹھ گاؤں آپ کو ملے تھے جس میں سے دو گاؤں آپ نے اپنے متعلقین کو عطا کر دیئے تھے۔ بقیہ چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے۔ آپ کی جاگیر مندرجہ ذیل گاؤں میں تھی:

۱۔ فیصلہ مقدمہ نمبر 55، 1845ء، بہ اجلاس مولوی صدر الدین خاں دیوانہ کچھری دہلی

۲۔ تذکرہ جمیل ابراہیم خوشتر مبنی رضوی اکادمی مارینشس ص ۹۴

(۱) اسپت (۲) نہوڑ (۳) نقی پور (۴) کر تولی (۵) مرزا پور (۶) نگا۔ ۱۔
یہ گاؤں معافی و دوامی تھے اور نسلاً و رنسلاً آپ کے خاندان کے پاس رہے۔ قانون خاتمہ زمینداری 1952ء کے نفاذ کے بعد ضبط کیے گئے۔ ۲۔ سیر کاشت مذکورہ بالا اب بھی آپ کے ورثا کے پاس موجود ہے۔

مولانا کاظم علی خاں دیندار صحیح العقیدہ، اہل سنت و جماعت تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پیر طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کے استاد حضرت مولانا شاہ انوار الحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی نسل میں برقرار ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا کاظم علی خاں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو محفل میلاد مبارکہ بڑے التزام سے منعقد کرتے تھے الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔“

سلطنت مغلیہ کی بیخ کنی کے بعد انگریزوں نے تمام اصول و ضابطے اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر اہل ہند پر ظلم و زیادتی کی تو دربار دہلی اور انگریزوں کے درمیان خلیج وسیع ہو گئی آپ بادشاہ دہلی کی وکالت کرنے و انسراے کے پاس نکلتے گئے۔ انجام کیا نکلا اس کا حال دریافت نہ ہو سکا۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ انگریز نے دربار دہلی کے موقف کو تسلیم نہیں کیا شاید اسی لئے (یعنی انگریزوں کی اہل ہند پر ظلم و زیادتی کی وجہ سے) آپ اور آپ کے صاحبزادے امام العلماء مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف تھے اور پہلی جنگ آزادی میں انگریزوں کی زبردست مخالفت کی تھی۔

مولانا کاظم علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے دو فرزند مولانا رضا علی خاں اور حکیم قلی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم عرف موتی بیگم تھیں۔ زوجہ ثانیہ سے تین دختران بدر النساء، صدر النساء اور قمر النساء

۱۔ مقدمہ تقریق کلکتہ ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منصفہ 20 جولائی 1862ء

۲۔ سیرت اعلیٰ حضرت ص 41 ۳۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص 302 ۴۔ حیات مفتی اعظم ہند ص 23

سے۔ زوجہ و اولاد کا نام مولوی بیگم تھا جس کے بطن سے جعفر علی خاں پیدا ہوئے جو لا ولد فوت ہوئے۔
 مولانا کاظم علی خاں کی نسل آپ کے دونوں فرزندوں سے چلی۔ زینت بیگم عرف موتی بیگم کی شادی
 بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ یہ قول کہ ان کی شادی خان محمد حیات خاں سے ہوئی تھی اور یہ یوسف زئی
 تھے۔ بے بنیاد اور غلط ہے۔ زینت بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ 19 مئی 1832ء کو ورثہ
 کے درمیان تقسیم جائیداد عمل میں آئی۔ اس تقسیم نامہ میں زینت بیگم عرف موتی بیگم کے شوہر کا
 نام بندے علی خاں درج ہے۔ اس تقسیم نامہ پر بندے علی خاں کی مہر ہے اور موتی بیگم کے کارمٹار کی
 حیثیت سے کوچک علی خاں کے دستخط ہیں۔ کچھ اور لوگوں کے علاوہ اردو کے معروف نعت گو لطف علی خاں
 لطف بریلی کے بھی دستخط ہیں۔ ایک اور دستاویز 17 مارچ 1839ء کا بیعنامہ ہے یہ بیعنامہ موتی بیگم نے
 اپنے بیٹے کوچک علی خاں ولد بندے علی خاں کی بیوی بیگم جان کے حق میں موضع مسیت و موضع کرتولی کی
 جائیداد بیع کی ہے۔ اس بیعنامہ کی سطور اول اس طرح ہے:

”من کہ مسماہ موتی بیگم بنت محمد کاظم علی خاں زوجہ بندے علی خاں مرحوم ساکن شہر بریلی۔“

یہ بیعنامہ فارسی میں ہے۔ اس بیعنامہ میں اور کچھ لوگوں کے علاوہ مولانا رضا علی خاں کے بھی
 دستخط ہیں۔ مولانا رضا علی خاں موتی بیگم کے حقیقی بھائی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موتی بیگم کی شادی
 بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ موتی بیگم کے دو فرزند نعت علی خاں عرف بزرگ علی خاں و کوچک علی خاں
 تھے۔ نعت علی خاں کے بیٹے حاجی وارث علی خاں تھے جن سے مولانا نقی علی خاں کی بڑی بیٹی حجاب بیگم کا
 عقد ہوا تھا۔ ان کی نسل سرسبز و شاداب ہے۔

امام العلماء مولانا رضا علی خاں

حافظ کاظم علی خاں کے فرزند اکبر امام العلماء مولانا رضا علی خاں تھے۔ آپ کی ولادت بریلی
 میں ۱۲۲۳ھ میں ہوئی اور پندرہ بائیس سال ۶ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کو وصال ہوا۔ سنی نزدیکی اشیشن بریلی

واقع قبرستان بہاری پور رسول لائن آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل
 ۱۳۴۲ھ میں حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب رامپوری ابن ملا عرفان ولایتی رامپوری سے رامپور اور
 ٹونک میں حاصل کی۔ تذکرہ علمائے اہل سنت میں آپ کی سن ولادت ۱۲۶۴ھ لکھی ہے۔ جو غلط ہے
 فقہہ میں آپ کو مستزس خاص حاصل تھا۔ روہیلہ دور کے شاہی خاندان کے آخری چشم و
 چراغ مفتی محمد عیوض صاحب کی 1816ء میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد مسند افتا خالی تھی۔
 1816ء میں مفتی محمد عیوض بریلی سے ٹونک تشریف لے گئے اور 1818ء میں وہیں فوت ہوئے۔ ۲
 ایسے نازک دور میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے مسند افتا کو رونق بخشی۔ آپ اپنے دور میں مرجع
 فتویٰ تھے۔ آپ کی تقریر انتہائی موثر ہوتی تھی۔ محفل خوف خدا اور خشیت الہی سے آہ و بکا کراٹھتی تھی چونکہ
 خود بڑے تقویٰ شاعر تھے اسی لئے آپ کی نصیحت کا بہت اثر ہوتا تھا۔ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ سلام
 کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔ دنیا کی طرف سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔ زہد و قناعت اور تجربہ جیسے
 اوصاف حمیدہ میں بھی آپ ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عشق نبوی کی دولت سے نوازا تھا اس لئے
 آپ ناموس رسالت کے دشمنوں سے متنفر رہتے تھے۔

امام العلماء کو اجازت و خلافت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمن اور ان کو فاضل محمد سند بیوی
 سے اور ان کو ملک العلماء بحر العلوم ابوالعاش محمد عبدالعلی لکھنوی سے تھی۔ ۳

امام العلماء مطہر سنت تھے اور کسی بھی بدعت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ عہد آصف الدولہ
 میں بریلی کی جامع مسجد میں شرق کی جانب ایک سہہ دری تھی جس کو ضعیف الاعتقاد افراد نے امام باڑہ
 کے نام سے منسوب کر کے تعزیہ اور علم رکھ دیئے۔ آصف الدولہ کے عہد کے خاتمہ کے بعد حکیم مرزا حسین
 جان بیگ نے جامع مسجد کا متولی ہونے کے بعد سہہ داری کو مقفل کر دیا تاکہ تعزیہ اور علم حدود جامع
 مسجد میں نہ رکھے جاسکیں۔ حکیم صاحب کے وصال کے بعد راقم کے پرانا مرزا مولوی مطہر بیگ جامع
 مسجد کے متولی ہوئے تو انہوں نے امام العلماء کی ہدایت کے مطابق سہہ دری سے تعزیہ اور علم علیحدہ کرا

مولانا محمد علی خاں نے متولی مذکور کو بزم خود بدعتیہ کہنا شروع کر دیا۔ شور و غوغا اتنا بڑھا کہ تعزیے اور علم دونوں دوبارہ نبی خانہ میں رکھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ چنانچہ امام العلماء کی ذات مقدسہ متنازعہ تھی اور عوام کیلئے معتبر و موثر تھی۔ آپ نے فتویٰ جاری کر کے متولی کے اقدام کو درست اور متولی کو صحیح العقیدہ سنی قرار دیا۔ بریلی کے دیگر علماء نے بھی تصدیقات کیں۔ امام العلماء پہ نفس نفیس ہر جمعرات کی شب کو جامع مسجد میں تشریف لا کر سہ درہی موسومہ بہ نبی خانہ میں محفل میلاد منعقد کرتے جس سے شہر کے جہلا کاوا دیا اور شور و غوغا ختم ہوا۔ ۱

خطبات امام العلماء (خطبات علمی)

امام العلماء نے جمعہ اور عیدین کیلئے عربی زبان میں خطبات تصنیف کیے جن کو آپ کے شاگرد و مرید محمد حسن علمی نے ترتیب دے کر ”خطبات علمی“ کے نام سے شائع کیا۔ یہ خطبات برصغیر پاک و ہندو بنگلہ دیش میں آج بھی جمعہ اور عیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔ خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولانا محمد حسن علمی کے ہیں اس لئے ”خطبات علمی“ پر مولانا محمد حسن علمی کا نام بطور مولف لکھا ہے۔ خطبات علمی کے اختتام پر مولانا علمی اپنے استاد و پیر طریقت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس مولف عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب ہادی عنبر اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضل عمیم اور طفیل رسول کریم مقلب بہ رنگ عالی خلق عظیم کے ہم سب مومنین کو بعضو برائم و عصیاں اور فیضان توفیق و احسان کے عزت بخشے اور ہمارے مرشد و مولانا عالم علم زمانی مقبول بارگاہ سبحانی، اسرار معقول و منقول، کاشف استار ع فروع و اصول، مطلع العلوم، مجمع القہوم، عالم باعمل، فاضل بے بدل، منبع الاخلاق مصدر احسان و مظہر امتنان، مولانا و مخدومہ لودعی زماں

مولوی رضا علی خاں کو بیچ دونوں جہاں کے رحمت خاصہ میں اپنے رکھ کر انہی مراتب قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ۱

شاگرد

امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے شاگردوں کی کبھی کوئی فہرست تیار نہیں کی گئی مگر مطبوعہ و غیر مطبوعہ متعدد پرانی کتابوں میں مصنفین نے آپ کا اپنا استاد بتایا ہے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد حسن علمی مولف خطبات علمی تھے۔ دوسرے شاگرد ملک محمد علی خاں ابن حاجی ملک محمد خاں ابن ملک سعید خاں مرتب ”تصحیح الایمان رد تقویت الایمان“ بہت مشہور ہیں۔ ”تصحیح الایمان رد تقویت الایمان“ کا مطبوعہ نسخہ نایاب ہے مگر رضا لاہوری راپور میں قلمی نسخہ ۳۶/۷۵۷۹ م محفوظ ہے۔ آپ کے تیسرے شاگرد و مرید مولانا فخر الدین قادری سنڈیلوی تھے۔ مولانا قادری انگریزوں کے خلاف شریک جہاد ہوئے اور بریلی میں ہی شہید ہوئے۔ ۲

مجاہد جنگ آزادی

امام العلماء مولانا رضا علی خاں جید عالم باعمل اور معروف مفتی وقت ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر مجاہد آزادی بھی تھے۔ آپ تمام عمر انگریز سامراجیت کے خلاف برسر پیکار رہے۔ آپ جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کے مجاہدانہ مزاج اور کارناموں نے انگریز سامراجیت کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ”ترجمان اہلسنت“ لکھتا ہے:

”جنگ آزادی کا مورخ رقم طراز ہے کہ آپ (مولانا رضا علی) جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر فرنگی اقتدار کے خلاف برسر پیکار رہے۔ آپ ایک بہترین جنگجو اور بیباک سپاہی تھے۔

لارڈ سٹیک آپ کے نام سے کانپٹا تھا۔ جنرل ہڈن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپیہ مقرر کیا تھا۔ مگر اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا۔ جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نصب زنی کر کے پچیس گھوڑے چوری کر لیے کیونکہ آپ نے اپنے تمام گھوڑے مجاہدین آزادی کو انگریزوں کی پناہ گاہ پر شب خون مارنے کیلئے مفت دیئے تھے۔“

امام العلماء نے آزادی میں عملاً خود بھی حصہ لیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ بھی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کے جذبہ حریت کو بیدار کیا۔ انگریزوں کی بیخ کنی کرنے کیلئے جہاد کینی بنائی گئی اس میں امام العلماء رضا علی خاں سرفہرست تھے۔ علما کے فتوے جہاد کا عوام نے زبردست اثر لیا اور مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں کود پڑے۔

امام العلماء کی جائیداد ضبط

امام العلماء کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ آکر انگریز نے آپ کا سر قلم کرنے پر انعام رکھ دیا تھا مگر بادیہ و کوشش کے جنرل ہڈن نہ تو آپ کو قتل کرا سکا اور نہ ہی گرفتار کرا سکا۔ جب بھی انگریز سپاہی آپ کو تلاش کرتے، آپ مسجد میں مشغول عبادت ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ انگریز سپاہیوں کو اندھا کر دیتا۔ امام العلماء کبھی انگریزوں کو نظر نہ آتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی آپ حفاظت فرمائی۔ آپ کی آبائی جائیداد موضع تحصیل ملک ضلع رامپور کے نزدیک تھی۔ اس میں موضع دھیلی بہت بڑا موضع تھا۔ انگریزوں نے جہاد کرنے کے جرم میں امام العلماء کی جائیداد ضبط کر لی۔ ۵۸-۱۸۵۷ء میں نواب رامپور نے انگریزوں کی مدد کی تھی اس لئے بطور انعام امام العلماء کی مذکورہ جاگیر ریاست رامپور میں ضم کر دی گئی

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

مولانا نقی علی خاں کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زماںہ ہوئے:

- (۱): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲): مولانا حسن رضا خاں (۳): مولوی برکات احمد
- (۴): مولوی ہدایت رسول لکھنوی (۵): مفتی حافظ بخش آنولوی (۶): مولوی شمس اللہ خاں
- (۷): مولوی سید امیر احمد بریلوی (۸): مولوی حکیم عبدالصمد

بیعت و خلافت

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ ۵ جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی مارہروی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا خاں بھی سیدنا شاہ آل رسول کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اسی مجلس میں میں شاہ صاحب نے دونوں افراد کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اس مجلس بیعت و خلافت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پنجم جمادی الآخر ۱۲۹۳ھ کو مارہرہ مطہرہ میں دست حق پرست آقائے نعمت، دریائے رحمت سید الواصلین سند اکالمین قطب قطب ادانہ، امام زمانہ حضور پر نور سیدنا مرشدنا مولانا داناؤ ذخرقی وعدی سیدنا شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ رضی (لہ عنہ) (رضاو) (مناہ) (علینا من) برکاتہ و نعتہ پر شرف بیعت حاصل فرمایا حضور پر نور مرشد برحق نے مثال خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام ناکارہ (امام احمد رضا)

بھی اسی جلسہ میں اس جناب کے طفیل ان برکات سے شرف یاب
ہوا واللہ تبارک و تعالیٰ العالین۔“ ۱

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد گرامی حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رحمہ اللہ
عہد سے مندرجہ ذیل سلوک کی اجازت حاصل تھی۔

- (۱): طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ
- (۲): طریقہ قادریہ قدیمہ
- (۳): طریقہ عالیہ قادریہ اہلادیہ
- (۴): طریقہ قادریہ منوریہ
- (۵): طریقہ چشتیہ جدیدہ
- (۶): طریقہ چشتیہ قدیمہ
- (۷): طریقہ سہروردیہ جدیدہ
- (۸): طریقہ سہروردیہ قدیمہ
- (۹): طریقہ نقشبندیہ علویہ
- (۱۰): طریقہ سلسلہ بدیعہ
- (۱۱): طریقہ سلسلہ علویہ
- (۱۲): طریقہ سلسلہ منامیہ
- (۱۳): طریقہ سلسلہ منوریہ

مولانا نقی علی خاں کو ان کے پیر مرشد نے مندرجہ ذیل چار مصنفوں کے شرف سے بھی نوازا:

- (۱): مصنفہ خضریہ
- (۲): مصنفہ جدیہ
- (۳): مصنفہ معمریہ
- (۴): مصنفہ منامیہ

سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے:

مولانا نقی علی خاں نے شرف بیعت حاصل کیا اپنے پیر مرشد سید شاہ آل رسول مارہروی سے انہوں
نے سید آل احمد عرف اچھے میاں سے انہوں نے اپنے والد سید شاہ حمزہ سے انہوں نے اپنے والد
سید شاہ آل محمد سے انہوں نے اپنے والد سید شاہ برکت اللہ سے انہوں نے سید جلیل الشان فضل
اللہ سے انہوں نے اپنے والد سید احمد سے انہوں نے اپنے والد سید محمد شاہ سے انہوں نے
جمال الادلیا جمال الدین سے انہوں نے قاضی ضیاء الدین سے انہوں نے محمد نظام الدین بہکاری

سے انہوں نے سید شاہ ابراہیم امیر جی سے انہوں نے حضرت بہا الدین سے انہوں نے سید
احمد جیلانی سے انہوں نے سید شاہ حسن سے انہوں نے سید شاہ موسیٰ رضا سے انہوں نے
سید شاہ علی سے انہوں نے ابو نصر سید محمدی الدین سے انہوں نے سید قاضی ابوصالح سے
انہوں نے اپنے والد سید ابوبکر عبدالرزاق سے انہوں نے اپنے والد ماجد غوث اعظم امام سیدنا
محمد علی الدین عبدالقادر جیلانی سے انہوں نے امام ابوسعید مخزومی سے انہوں نے شیخ الاسلام
ابوالحسن علی قرشی سے انہوں نے امام ابوفرح طرطوسی سے انہوں نے ابوالفضل عبدالواحد سے
انہوں نے امام ابوبکر سے انہوں نے سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے انہوں نے
اپنے ماموں امام سری سقطی سے انہوں نے امام معروف کرخی سے انہوں نے سید اجل امام علی
رضا سے جو فرزند ہیں امام موسیٰ کاظم کے انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے انہوں نے
امام علی رضا کے دادا جعفر صادق سے انہوں نے امام علی رضا کے والد کے دادا امام باقی سے
انہوں نے سیدنا امام علی رضا کے دادا کے باپ سیدنا امام حسن سے انہوں نے اپنے والد
مولانا علی شیر خدا سے انہوں نے نبیوں کے خاتم رسول کے سردار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
سے ۱

اجازت سند حدیث

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو سند حدیث مندرجہ ذیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

- (۱) سیدنا شاہ آل رسول مارہروی سے اور وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے بیان کرتے ہیں جن
میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیں اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کثیر العلم اور قوی
الفہم محدث ہیں۔ اس سند حدیث کا سلسلہ مندرجہ ذیل ہے:
- مولانا نقی علی خاں سے مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی سے مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ← سید عمر ← شیخ عبداللہ بن سالم البصری ← شیخ یحییٰ بن محمد شادی ←
 شیخ سعید بن ابراہیم الجزائری ← شیخ محقق سعید بن محمد المقری ← شیخ محمد فی الوہرانی ← شیخ سید ابراہیم
 التازی ← شیخ ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن حسین المراغی ← زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العرانی ←
 ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم المیدوی ← ابوالفرح عبداللطیف بن عبدالمعتم ← حافظ ابوالفرح عبدالرحمن
 بن علی الجوزی ← ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک ← ابوطاہر محمد بن محمد خمیس الزیادی ←
 ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار ← عبدالرحمن بن بشر بن الحکم ← سفیان بن عیینہ ← سفیان
 بن عمر ← ابوقاموس عبداللہ بن عمرو بن العاص ← عبداللہ بن عبداللہ بن حمزہ ۱۔

(۲): اپنے والد امام العلماء مولانا محمد رضا علی خاں سے وہ مولانا غلیل الرحمن محمود آبادی سے وہ
 فاضل محمد سندیلوی سے اور وہ ابوالعیاش محمد عبدالعلی سے ۲۔

(۳): سید احمد بن ذینی دحلان کی سے اور وہ شیخ عثمان دمیاتی سے ۳۔

(۴): مولانا علی خاں بریلوی کو شیخ محقق مولانا عبدالحق محقق دہلوی کی طرف سے بھی حدیث
 مسلسل بالاولیت کی سند حاصل تھی جس کی ترتیب درج ذیل ہے:

سیدنا شاہ آل رسول مارہروی ← سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں ← عارف باللہ سیدنا شاہ حمزہ حسینی واسطی
 ← سیدنا شاہ فنیل محمد اترولی ← سیدنا شاہ مبارک فخر الدین بگرامی ← شیخ استاد ابولرضا بن شیخ اسماعیل
 ← افضل المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی ← شیخ صالح صاحب توفیق عبدالوہاب ← شیخ کبیر محمد بن
 افلاج یمنی ← شیخ وجیہ الدین عبدالرحمن بن ابراہیم علوی ← شیخ شمس الدین سخاوی ← ابوالفضل احمد
 بن معروف بہ ابن حجر ← ابوالفضل عبدالرحمن بن حسین عراقی ← شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد
 تدمری ← ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم میدوی ← الخبیب عبداللطیف بن عبدالمعتم حرانی ← شیخ عبدالرحمن
 بن علی جوزی ← ابوسعید اسماعیل بن علی صالح احمد بن عبدالملک نیشاپوری ← ابوصالح احمد بن
 عبدالملک ← ابوطاہر محمد بن محمد خمیس ← ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال ← حضرت شیخ بن عبدالرحمن

۱۔ بیاض قلمی امام احمد رضا معز و نہ سید شاہ بحیی حسن مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

۲۔ الاجازات المتنبہ از: امام احمد رضا ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 123 تا 127

بن بشر بن الحکم ← حضرت نفیان بن عیینہ ← حضرت شیخ بن عمر بن دینار ← حضرت عبداللہ بن عمر بن
 عاص ← ابوالقاموس شیخ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمرو ← حضور نبی کریم ﷺ ۱۔

فقہہ حنفی

مولانا علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کو سیدنا شاہ آل رسول کے علاوہ حضرت شیخ عبدالرحمن حنفی کی
 سے بھی سند فقہہ حاصل تھی۔ حضرت کی کا سلسلہ سات واسطوں سے حضرت شیخ احمد بن یونس شلی تک پہنچتا
 ہے اور حضرت شیخ شلی کا سلسلہ سولہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ تک پہنچتا ہے اور حضرت امام
 ابوحنیفہ کا سلسلہ تین واسطوں سے سیدنا عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا سلسلہ
 براہ راست حضور نبی کریم ﷺ تک چھپیس واسطوں سے ہوتا ہوا ختمی ہوتا ہے۔ ۲۔

حج و زیارت

مولانا علی خاں بریلوی رحمہ اللہ ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ وہ دور
 تھا کہ مولانا شدت سے غلیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا۔ اس سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

”عزم زیارت و حج مصمم فرمایا یہ غلام (امام احمد رضا) اور چند
 اصحاب و خدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کیا
 کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔
 ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازے سے باہر
 رکھ لوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے
 والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات
 میں کمی نہ فرمائی بلکہ مرض ہی خود نبی اکرم ﷺ کے ایک

۱۔ الاجازات المتنبہ از: امام احمد رضا ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 195 تا 197

۲۔ فتاویٰ رضویہ (جلد اول) از: امام احمد رضا ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی ص 5

آنحورہ میں دو اعطا فرمائے سے کہ من رانی فقد رای

الحق (رواہ احمد الشیخان عن ابی قتادہ) حدیث پر نہ رہا۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ حج و زیارت کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ مقیم رہے۔ حج میں آپ کے معلم احمد سیونی بن محمد سیونی کی تھے۔ ۲۔

اورادو و وظائف

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کو ان کے پیرومرشد سیدنا آل رسول مارہروی نے مندرجہ ذیل اورادو و وظائف کی اجازت عطا فرمائی:

قرآن عظیم کے خواص	اسما الہیہ	دلائل الخیرات
حصن حصین	قصر متین	اسما العینہ
حزب البحر	حزب البر	حزب النصر
سلسلہ شاذلیہ کے تمام احزاب	ایک لاکھ چارویلوں کا حرز	حرز الامیرین
حرز ایمانی	دعا حیدری	دعا عزرائیل
دعا مغنی	قصیدہ غوثیہ	صلوۃ غوثیہ (صلوۃ الاسرار)
دعا سریانی	نیم تکبیر	تکبیر عاشقان
قصیدہ بردہ	ارسال البوائف	(الاجازات المثنیہ ص 167)

مندرجہ بالا اورادو و وظائف، اذکار، اشغال، اوقات اور اعمال کی اجازت اس شرط کے ساتھ عطا کی گئی کہ قطع رحمی اور ناجائز کام کیلئے نہ پڑھے جائیں اور ان سے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے اگرچہ اس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہو۔

۱۔ جواہر البیان فی اسرار الارکان۔ مولانا نقی علی خاں (حالات مصنف از امام احمد رضا) ص 10

۲۔ بیان احمد سیونی بن محمد سیونی مقدمہ نمبر 47/1883 ہ اجلاس مولوی عبدالقیوم خان سب جج بریلی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کے احباب

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے اپنے زبان و قلم سے اپنے خاص احباب کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ کی حیات کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی اپنا تھا نہ پرانا۔ نہ لگانہ تھا اور نہ بیگانہ۔ آپ کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد الحب فی اللہ و البغض فی اللہ پر تھی۔ تاہم آپ کی چند تصنیفات اور اصحاب قلم کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل چند حضرات آپ کے مقربین خاص تھے:-

مولانا حکیم غلام قادر بیگ:

حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ ابن مرزا حسن جان بیگ یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ مطابق 25 جولائی 1827ء کو محلہ جھوئی ٹولہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد نے لکھنؤ سے ترک سکونت کر کے بریلی میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی رہائش جامع مسجد بریلی کے جانب شرق محلہ قلعہ میں تھی۔ آپ نسلا ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہیں بلکہ شاہان مغلیہ نے آپ کے اجداد کو مرزا اور بیگ کے خطبات سے نوازا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار نسلا فاروقی تھے اس طرح آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رحمہ اللہ سے ملتا ہے۔ سلطان ظہیر الدین بابر اور ان کے والد دونوں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے بیعت تھے اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے اجداد کرام بھی شاہان مغلیہ سے وابستہ رہے۔ اسی زمانے میں دونوں خاندانوں کے قریبی روابط رہے۔ اسی بناء پر مولوی مرزا غلام قادر بیگ اور مولانا نقی علی خاں کے درمیان انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ اسی لئے مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر امام احمد رضا کی تعلیم آپ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ دیگر طلباء آپ کے مطب واقع محلہ قلعہ نزد جامع مسجد بریلی میں درس لیا کرتے

تھے مگر مولاناقلی علی خاں سے قریبی تعلقات و دوستی اور خاندانی وجہ سے امام احمد رضا کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے۔ امام احمد رضا نے ابتدائی کتب میزان منقشب وغیرہ مولانا غلام قادر بیگ سے پڑھیں۔

مرزا غلام قادر بیگ اپنے وقت کے مشہور عالم، عابد اور متقی تھے۔ آپ انتہائی منکسر المزاج اور ضلیق تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نے اپنی تصنیف ”حیات مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی“ میں آپ کا سن وصال 1883ء لکھا ہے۔ ۱۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرزا غلام قادر بیگ کے حقیقی بھتیجے اور راقم السطور کے حقیقی نانا حضرت مرزا مولوی محمد جان بیگ رضوی علیہ الرحمہ کی بیاض کے مطابق مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ کا وصال یکم محرم الحرام ۱۲۳۶ھ مطابق 1917ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا اور محلہ باقر گنج واقع حسین باغ بریلی میں دفن ہوئے آپ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ بھی وہیں مدفون ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش

نواب نیاز احمد خاں ہوش عرف بے میاں بریلی کے مشہور شاعر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ہوش بریلوی نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں تھے۔ نواب حافظ محمد یار خاں، حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کے پانچویں بیٹے تھے۔ ہوش فن شعر میں استاد تھے۔ بڑی تعداد میں آپ کے تلامذہ تھے۔ بریلی اور اطراف و جوارب میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔ خلیفہ امیر الدین آزاد مرحوم بریلوی سے فارسی کی تحصیل کی۔ کتب معقول و منقول مختلف علما سے پڑھیں۔ فن طب میں حکیم محمد ابراہیم لکھنوی کے شاگرد تھے اور شاعری میں اسیر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ نعت، قصیدہ رباعی سب کچھ لکھتے تھے۔ 1857ء کے غدر نے بے چین کر دیا۔ مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ طویل عرصہ تک لکھنؤ میں قیام پذیر رہ کر وہاں کے جلسوں اور محفلوں کو رونق بخشی۔ تاریخ روہیلکھنڈ، کلپات ہوش، مثنوی ترانہ ہوش اور حدیقہ نعت (مولود نامہ) ان کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔ شہادت نامہ بے نظیر، فسانہ غرائب اور واسوخت ہوش

آپ کی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش مولاناقلی علی خاں کے ہم عصر اور مقررین میں سے تھے۔ ہوش بریلوی مولاناقلی علی خاں کی علمی بصیرت، مومنانہ فراست اور مجاہدانہ عزیمت کے بہت زیادہ قائل تھے اور اس کا اعتراف مولاناقلی علی خاں کی تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ کی تقریظ میں انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ مولاناقلی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہوش بریلوی کی علم دوستی اور علانوازی پر بہت خوش ہوتے تھے۔

ہوش بریلوی کا انتقال بریلی میں 30 جون 1892ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ کو ہوا۔ مقبرہ حافظ الملک سے ملحق چار دیواری میں دفن ہوئے۔

مولوی ہدایت علی بریلوی

سید ہدایت علی بریلوی خلف سید بہادر علی بریلوی بریلی میں تولد ہوئے۔ درسیات میں مفتی محمد عبود (م 1816ء) کے شاگرد تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی تحصیل علم کیا۔ شاعری میں خلیفہ امیر الدین آزاد کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کلام کہا ہے۔ نعتیہ دیوان اردو ”ہدایت فیاض“ 1894ء میں مطبع قادری بریلی میں چھپا تھا مگر اب نایاب ہے۔ مولانا ہدایت علی کی نعتیں برصغیر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ آپ مولاناقلی علی خاں سے بہت عقیدت و محبت رکھتے تھے اور ان کے علم سے فضل سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ آپ نے مولاناقلی علی خاں کی مشہور و معروف تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ پر شاندار تقریظ لکھی ہے۔ اس میں آپ نے مولانا بریلوی کے لئے جو القاب و آداب قلمبند کئے ہیں ان سے مولانا کے روحانی و علمی منصب کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ان سے قلبی لگاؤ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مولاناقلی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی علمی بصیرت کی قدر کرتے تھے۔ اثر بن عباس کے تنازعہ میں مولانا ہدایت علی

بریلوی، مولانا تقی علی خاں کے حمایتی تھے اور آپ نے مولانا تقی علی خاں کے نظریہ کی حمایت اور محمد احسن نانوتوی کی رو میں ایک رسالہ "الكلام الحسن" تحریر کیا۔ ۱۔

مولانا یعقوب علی

مولانا یعقوب علی خاں شہر کہنہ بریلی کے رئیس تھے۔ آپ مدرسہ اکبری بریلی کے صدر مدرس اور بھوپال میں قاضی شرع رہے۔ ۲۔ آپ اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل اور فقیہ تھے۔ حنفی المذہب تھے اور فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ شاہ الطغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم و فضل میں باکمال آپ ڈپٹی مدارس اور آئیری مجسٹریٹ بھی رہے۔ آخر عمر میں پنشن یاب تھے۔ مولانا تقی علی خاں کی تبحر علمی سے حد درجہ متاثر تھے۔ دینی معاملات میں مولانا تقی علی خاں کی رائے کو ترجیح دہیت دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا تقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے مابین اثر ابن عباس کی بحث میں مولانا یعقوب علی خاں، مولانا تقی علی خاں کے زبردست حمایتی و معاون تھے اور مولانا تقی علی خاں کے نظریہ کو درست مانتے تھے۔ مولانا تقی علی خاں بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے

نواب عبدالعزیز خاں

نواب عبدالعزیز خاں بن سعادت یار خاں بن نواب محمد یار خاں بن حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں باعتبار علم و فضل علامہ وقت اور بلحاظ جود و سخا بے مثل تھے۔ ابتدائی عمر سے ہی نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی اللہ یار خاں سے حاصل کی۔ معقول و منقول علامہ مفتی عنایت احمد اور مولوی یعقوب علی خاں سے پڑھیں۔ فارسی و عربی پر دسترس حاصل کرنے کے بعد مسکرت کا شوق ہوا تو قلیل مدت میں اس پر عبور حاصل کر لیا اور بڑے بڑے پنڈتوں پر سبقت لے گئے۔

حافظ زبردست تھا، قرآن حفظ کر کے رمضان شریف میں شانے کا شوق ہوا۔ یکم رمضان سے ایک پارہ یاد کر کے مسجد نواب ایوب خاں بریلی میں تراویح میں سنادیتے۔ اس طرح ۲۸ رمضان کو

قرآن شریف ختم کر دیا۔ اس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور شیرینی تقسیم کرائی۔ آپ اردو و فارسی کے زبردست ادیب تھے۔ آپ دونوں زبانوں میں ایسی عبارت لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے جس کے ہر فقرہ سے مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ نواب صاحب کی تصانیف میں سبیل بخشش، آئینہ آخرت، جذر و مد، مجالس العلوم بہت مقبول ہوئیں۔ نواب صاحب اردو، فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ شاعری میں مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلمذ کیا۔ عزیز مخلص اختیار کیا اور اتنے مشہور ہوئے کہ بریلی میں کسی شاعر کو اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ آپ انتہائی عابد و زاہد متقی و پرہیز گار تھے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشہ میں ایمان داری اور دیانت داری کے باعث تمام عدالتیں بہت زیادہ احترام کرتی تھیں۔

مولانا تقی علی خاں سے آپ کے بہت قریبی روابط تھے۔ آپ شرعی معاملات میں مولانا تقی علی خاں کی آرا کو سند تسلیم کرتے تھے۔ مولانا تقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے درمیان اثر ابن عباس کے مسئلہ پر تنازعہ ہوا اور مولانا تقی علی خاں نے ۱۳۹ھ مطابق ۱873ء میں عید گاہ میں مولانا احسن کے نماز پڑھانے کو ناپسند کیا تو مولانا احسن کی امامت کے خلاف دیگر علما اور معززین شہر کے علاوہ نواب عبدالعزیز خاں دستخط کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ مولانا تقی علی خاں بھی نواب صاحب کی نیکی، شرفانوازی، غربا پروری اور علم دوستی کی بنا پر بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

شکل و شباهت

مولانا علی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ افغانستان کے مشہور فیصلہ جہیز سے تعلق رکھتے تھے۔ افغانی قوی الجہد اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ مولانا علی علی خاں میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں۔ آپ دراز قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ گول نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جن سے مہر و محبت عیاں، علم و فضل اور عشق رسول سے معمور چوڑا چمکا سید، ستواں ناک، گورا چٹا رنگ۔ چہرہ پر گہنی داڑھی جو آخر عمر میں کچھ سفید ہو گئی تھی چہرہ کو اور زیادہ جاذبیت عطا کرتی تھی۔ باریک گلابی ہونٹ جن پر مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ مجموعی اعتبار سے انتہائی حسین، خوبصورت و دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ متانت اور سنجیدگی ابتداء ہی سے تھی۔ مزاج میں افساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو اس بات کا گمان نہیں ہونے دیا کہ آپ بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ اپنے بڑوں اور بزرگوں کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے۔

معمولات دینی و دنیاوی

کتب بینی

مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ آپ کا بیشتر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ آپ کے مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس کتاب کو پڑھتے اول سے آخر تک پڑھتے درمیان میں نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وسعت مطالعہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً آپ نے ”الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح“ میں ستاسی سے زیادہ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جس سے علمی و دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی

تیرہویں صدی ہجری میں مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں رحمہ اللہ نے ۱۲۳۶ھ مطابق 1831ء میں سرزمین بریلی پر مسند افتا کی بنیاد رکھی اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ امام العلماء نے اپنے فرزند سعید مولانا علی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مولانا علی علی خاں نے مسند افتا پر رونق افزا ہونے کے بعد سے ۱۲۹۹ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما و فقہاء سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصہ تک ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے۔ مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ تیار نہ ہوسکا اس لئے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی لیکن مختلف علوم و فنون پر آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ کے اقوال و آرا کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے اور اپنے فتویٰ پر مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کی تصدیق لازمی و ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاویٰ تصدیقات کیلئے آتے تھے۔ آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط کر کے مہر ثبت کر دیتے تھے اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب ممدوح (مولانا علی علی خاں) کو کسی کی تکفیر مشہر کرنے سے کیا غرض تھی نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔“ ۲

تصنیف و تالیف

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس و تدریس، عبادت و ریاضت، خدمات دینی و ملی کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی بہت زیادہ شغف تھا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی آپ اپنے دور میں نادر و نگار تھے اور جامعیت علوم میں ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ آپ نے اردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا۔ آپ نے مختلف علوم و فنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور پر سیرت نبوی، اصلاح معاشرہ، تعلیم و تعلم، علم معاشرت، تصوف وغیرہ موضوعات و مسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ آپ کے خلف اکبر مولانا احمد رضا نے چھبیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اور باقی کتابوں کے مسودات ملے ہیں جن کے اول و آخر یا وسط کے اوراق غائب ہیں اس طرح ایک اندازہ کے مطابق آپ نے چالیس کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی بیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہو سکیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کی دولت کے ساتھ استغناء کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت کچھ علما اپنے علم کو جس تجارت بنا کر برطانوی حکام سے نذرانے وصول کر کے اور دولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے اس وقت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے ہم مسلک اور معتقدین رؤسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مذہبی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

درس و تدریس

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے۔ آپ نے درس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلباء دور دور سے آپ کے پاس اکتساب علم کیلئے آتے تھے۔ آپ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طلباء کو تعلیم دیتے تھے۔ مولانا قوم کی فلاح و بہبود کیلئے دینی

تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے۔ مولانا کو مسلمانوں کی علم دین کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش تھی۔ چنانچہ مولانا نے دینی تعلیم کے فروغ کیلئے بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ قائم کیا۔

مدرسہ اہل سنت کا قیام

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام انفرادی طور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ جن میں مولوی ہدایت علی فاروقی اور مولوی یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولوی ہدایت علی بریلوی، بریلی کے محلہ قریب الان کے ساکن تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولوی ہدایت علی نے ”مدرسہ شریعت“ کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے اکبر حسین کبہو کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں۔ بریلی میں یہ پہلا دینی مدرسہ تھا۔ ۱۔ مدرسہ میں شہر کھنہ کے رئیس مولوی یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جو باقاعدہ مذہبی تعلیم دے سکتا اس لئے مولانا نقی علی خاں بریلوی نے کوٹھی رحیم داد خاں واقع محلہ گلاب نگر، بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ۲۔

تلاش و جستجو کے باوجود مدرسہ کے قیام کی سن و تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ مدرسہ کے مصارف عوام کے مدد و تعاون سے پورے ہوتے تھے۔

مولانا احسن نانوتوی نے بھی بعد میں محلہ مداوی دروازہ کی ایک مسجد میں ”مصابح الہندیہ“ نام سے ایک مدرسہ 1872ء میں قائم کیا۔ ۳۔ ”حیات اعلیٰ حضرت“ میں ”مصابح الہندیہ بریلی“ کا بانی مولانا نقی علی خاں کو قرار دیا گیا ہے۔ ۴۔ اس تسامح کو اعلیٰ حضرت کے سبھی سوانح نگاروں نے بھی قائم رکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ”مدرسہ اہل سنت“

اور ”مدرسہ مصباح التہذیب“ کے بارے میں مولاناقلی علی خاں کے شاگرد مفتی حافظ بخش آنولوی اس طرح رقم طراز ہیں:-

”حالانکہ بہت سے صاحب ہرگز ”مصباح التہذیب“ میں چندہ نہیں دیتے بلکہ مدرسہ اہل سنت میں شریک ہیں اور عمائد شہر کہتے ہیں کہ چندہ وہاں کے مدرسہ سے متعلق ہے اور بعض صاحب محض خاطر داری اہل شوریٰ اراکین مصباح التہذیب یا بوجہ ملال و خصوصیت معاملات دینی و دنیوی کہ فاضل بریلوی (مولاناقلی علی خاں) اور ”متمم“ مدرسہ اہل سنت“ سے رکھتے ہیں اس طرف شریک ہیں۔ کچھ لوگ ابھی اس حال سے واقف نہیں کہ نانوتوی صاحب نے مدرسہ بوجہ خلاف عقیدہ ”مدرسہ اہل سنت“ سے علیحدہ کر لیا اور بعض حضرات سرے سے اختلاف عقیدہ فریقین کو اختلاف جزئیہ کے قبیل سمجھتے ہیں اور فریقین کو ہم عقیدہ جانتے ہیں۔“ ۱

مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ بالا تحریر ”مدرسہ اہل سنت“ اور ”مدرسہ مصباح التہذیب“ کے چندہ سے متعلق ہے مگر اس تحریر سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:-

◆ مولاناقلی علی خاں اور مولانا حسن نانوتوی کے مابین عقیدہ کا اختلاف تھا۔

◆ ”مدرسہ اہل سنت“ مولاناقلی علی خاں نے قائم کیا تھا اور مولانا نانوتوی نے ”مدرسہ مصباح التہذیب“ قائم کیا تھا

◆ مدرسہ اہل سنت، مدرسہ مصباح التہذیب سے قبل قائم ہوا۔

◆ اب سے تقریباً سو سو سال قبل ذرائع ابلاغ کی کمی کی وجہ سے شہر کہنے کے عوام نے شہر کے حالات سے جلدی باخبر نہیں ہو پاتے تھے اس لئے شہر کہنے کے سارے مسلمان اس بات سے

واقف نہیں ہو سکے تھے کہ مولاناقلی علی خاں اور مولانا نانوتوی کے درمیان عقیدہ کا اختلاف ہے اس لئے مدرسہ مصباح التہذیب میں چندہ دیتے تھے۔

◆ مدرسہ مصباح التہذیب 1872ء قائم ہوا اس لئے مدرسہ اہل سنت اس سے قبل قائم ہوا ہوگا۔

”مدرسہ اہل سنت“ اپنے وقت کا معروف اور معیاری دینی مدرسہ تھا۔ مولانا نانوتوی کا مدرسہ مصباح التہذیب، مدرسہ اہل سنت کے مقابلہ کا نہ تھا۔ اس میں ابتدائی درجات کے بہت کم طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:-

”نانوتوی صاحب فرمائیں کہ مصباح التہذیب میں ”شرح شمس“ کی سند کوئی پڑھتا ہے؟ یا ان کے مدرس اعلیٰ یہ کتابیں پڑھا سکتے ہیں وہاں صرف چند طلبا صرف و نحو اور چند لڑکے قرآن خوانی کے، کون پڑھتا ہے۔ بتائیے مصباح التہذیب کے قیام سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا۔“ ۱

مولاناقلی علی خاں رحمہ اللہ درس و تدریس سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیت دیتے تھے۔ آپ علم معقول و منقول پر پوری دسترس رکھتے تھے۔ مولانا کے شغف اور علم و فضل کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کے عم عصر اور دوست نواب نیاز احمد خاں ہوش لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب رحمہ اللہ (مولاناقلی علی خاں) کا گل اسلام تازہ رنگ لایا یعنی اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام کلام کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تكلم فهو البحر و تموج (عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے) کا

مضمون انہیں کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی علم میں عار نہیں۔ ہر علم میں غل و معقول ہونا بجز عنایت باری نہیں اور خیر میں اپنی اوقات عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشکلہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا۔ منقول میں بدوں حوالہ آیت و حدیث کلام نہ کرنا ان کا قاعدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس و شعور کے مطابق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الاتباع بنا کر دعویٰ توصیف ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے ہیں یہ شعر زبان پر لاتے ہیں۔

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے

شس آ کر سبق شمس پڑھتا ہو اگر کیا
ہوش

عبادت و ریاضت

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ زبردست عالم، مفتی، وقت، فقیہ، عصر، پابند شرع اور عابد شب بیدار تھے۔ پرہیز گاری اور خدا پرستی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ نماز باجماعت کے پابند تھے اور قلب درود شریف کا ذکر۔ روزے پابندی سے رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اتباع سنت کے انوار سے منور تھا۔ طبیعت ناساز ہوتی تب بھی نماز باجماعت مسجد میں ہی ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے بھی رکھتے۔ تصنیفی، تبلیغی اور علمی مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف فرائض و واجبات بلکہ نوافل مستحب، اوراد و وظائف، ارشاد شعبہ جات عبادت کو محیط تھے

۱۔ سرور القلوب فی ذکر المحبوب مصنف مولانا نقی علی خاں تفریط: امام احمد رضا ص 6

اخلاق و عادات

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ کے اخلاق و عادات بہت عمدہ تھے۔ پوری زندگی عشق رسول ﷺ اور اتباع سنت میں گزری۔ اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام مکہ کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ کرتے اور نہ اجڑا ہوا کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا و مساکین اور طلبہ کیساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر ان کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔ علما و طلبہ کا بہت احترام کرتے تھے، ان کے آنے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ انتہائی خوش مزاج اور بااخلاق تھے۔ غرور و تکبر نام کو نہ تھا، خدام اور ملازمین سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ خدا کی رضا کیلئے خدمت دین آپ کا مشغلہ تھا۔ کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

خصوصیات

مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ہی وقت نظر اور اصابت فکر میں اپنے ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ ایک فقیہ کیلئے جس دینی فہم و فراست، زیرکی و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے مولانا میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ بلندی، اقبال اور علو و ہمت کے مالک تھے۔ مروت، سخاوت، شجاعت و قناعت، دبدبہ و جلال، علم و عقل وغیرہ فضائل کے جامع تھے۔ مولانا کی خصوصیات کا ذکر امام احمد رضا اس طرح کرتے ہیں:-

جو وقت نظر وحدت افکار صاحب الرائے ثاقب حضرت حق
جل و علانے انہیں عطا فرمائی ان دیار امصار میں اسکی نظیر
نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو
کچھ فرما دیا وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش و معاد دونوں کا بدرجہ
کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں نے دیکھا۔ بریں سخاوت

کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کیلئے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔ اس جہاد کمیٹی میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا تقی علی خاں بریلوی، مولانا شاہ احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی، شہر یلوی، جنرل جنت خاں وغیرہا کے اسمائے گرامی خاص طور قابل ذکر ہیں۔^۱

مولانا تقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے۔ آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دی اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اثر ابن عباس اور مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

مولانا تقی علی خاں بریلوی کی حیات اور علمی و ادبی کارناموں کا جائزہ لیتے وقت اس بحث کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے جس کا تعلق مسئلہ اثر ابن عباس سے ہے۔ مولانا تقی علی خاں اس بحث کے قائد تھے اور انیسویں صدی کے آخر میں پورے برصغیر میں اس کے زبردست اثرات محسوس کئے گئے۔ مولانا احسن نانوتوی زمانہ قیام بریلی (1851ء تا 1877ء) بریلی کالج، بریلی میں عربی، فارسی کے استاد تھے اور اپنے مطبع حدیثی بریلی سے کتب کی تصنیف و اشاعت کا کام کرتے تھے۔ انہیں کے ایک ساتھی مولوی امیر احمد سہوانی تھے۔ 1871ء میں شیخوپور ضلع بدایوں میں ”مسئلہ امتناع وامکان نظیر“ پر مولانا عبدالقادر بدایونی (م 1901ء) اور امیر احمد سہوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہوا۔ مولوی نذیر احمد سہوانی (م 1881ء) نے دونوں فریق کے مفصل حالات پر مشتمل ایک کتاب ”مناظرہ احمدیہ“ کے نام سے طبع کرا دی۔ مناظرہ میں اثر ابن عباس بھی زیر بحث آیا۔^۲ مناظرہ میں جو حدیث زیر بحث آئی وہ یہ تھی:-

۱۔ مشعل راہ مرتبہ عبدالحمید اشرف مطبوعہ: کراچی (پاکستان) ص 126

۲۔ مولانا احسن نانوتوی از: فیصلہ ایوب قادری مطبوعہ: کراچی پاکستان ص 85

”بیشک اللہ نے سات زمینیں پیدا کیں ہر زمین پر آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہے تمہارے موسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی (حضور اکرم) کی طرح“
مولوی نذیر احمد نے اپنی کتاب کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ:-

”مولوی احسن نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباس) کے معتقد ہیں اور اس مضمون پر انکی مہر ثبت ہے اور اسی کے علمائے دین بھی قائل و معتقد ہیں۔“^۱

اس معاملہ نے زبردست طول پکڑا اور مولانا احسن نانوتوی کی مخالفت کا ماحول پیدا ہو گیا جس کی قیادت مولانا تقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ بقول پروفیسر ایوب قادری:-
”اثر ابن عباس کے مسئلہ میں علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی، بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولانا تقی علی خاں کر رہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبدالقادر سرخیل جماعت تھے۔“^۲

مولانا احسن نانوتوی ایک مدت سے بریلی عید گاہ میں عیدین کی امامت کرتے تھے۔ اس تنازعہ نے اتنا طول پکڑا کہ ۱۲۹۰ھ مطابق 1873ء کو نماز عید الفطر کے موقع پر مولانا تقی علی خاں نے عید گاہ میں مولانا احسن نانوتوی کے نماز پڑھانے کو پسند نہیں کیا۔ صورت حال بگڑتی دیکھ کر مولانا احسن نانوتوی کو مولانا تقی علی خاں کی امامت میں نماز پڑھانے کا فیصلہ لینا پڑا اور عید گاہ سے ہی مولانا تقی علی خاں کو بلائے کا پیغام بھیجا۔ جب مولانا تقی علی خاں کے عید گاہ کے قریب پہنچے کی خبر آئی تو مولانا نانوتوی فوراً مصلے پر پہنچ گئے اور نماز پڑھا دی۔ مولانا تقی علی خاں نے عید گاہ کے قریب حسین باغ میں بڑی تعداد

۱۔ مناظرہ احمدیہ از: محمد نذیر سہوانی مطبعہ: شعلہ طور کابور ص 47

۲۔ سوانح مولانا احسن نانوتوی از: ایوب قادری مطبعہ: جلاؤد پریس، کراچی ص 94

میں موجود مسلمانوں کی عید کی نماز کی امامت کی، مولانا احسن نانوتوی کی اقتداء نہیں کی۔ اس سلسلہ میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:-

”فاضل بریلوی (مولانا تقی علی خاں) نے عید گاہ جانا مناسب نہ سمجھا مسجد جامع تشریف لے گئے۔ حضرت (مولانا نانوتوی) کو اس سے صبر نہ آیا۔ مسجد جامع سے یہ کہہ کر بلایا کہ میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا جسے چاہے آپ امام کیجئے میں اس کی اقتداء کر لوں گا۔ جس وقت فاضل بریلوی سوک پر پہنچے خبر پاتے ہی حضرت مصلے پر تھے۔ فاضل بریلوی کو نہ جھگڑا منظور تھا نہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا۔ حسین باغ میں نماز پڑھا کر چلے آئے۔“

دراصل مولانا نانوتوی اثر ابن عباس کو صحیح اور معتبر جانتے تھے اور اس پر ان کا عقیدہ بھی تھا۔ وہ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:-

”میرا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور زمیں کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔“

حضرت اثر ابن عباس اور مولانا نانوتوی کے عقیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں میں الگ الگ نبی ہوئے اور ہمارے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ چھ اور خاتم النبیین ہوئے۔

اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں علیہ السلام کا موقف اور عقیدہ یہ تھا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ

ساف فرماتا ہے ”وَلَكِنَّ الرَّسُولَ اللَّهَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ“۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد حدیث پر عمل نہیں کیا جائیگا۔ مولانا تقی علی خاں مذکورہ بالا حدیث پر عقیدہ رکھنے والے کو عقیدہ اہل سنت کے خلاف جانتے تھے چنانچہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت مولانا تقی علی خاں کی حمایت میں میدان میں اتر آئی۔ مولانا تقی علی خاں بریلوی کی جانب سے ایک استفتاء علمائے رامپور کو بھیجا گیا جس کا جواب مفتی نور الدینی رامپوری نے ان الفاظ میں دیا:-

”یہ عقیدہ زید کا فاسد ہے کہ بخلاف نص قرآن کے قائل ہونا سات خاتم النبیین کا اور قرآن سے ایک ثابت ہے اور وہ ایک منحصر ہے ذات بالہرکات محمد الرسول اللہ ﷺ میں اور نص یہ ہے کہ ”ما کان محمد ابنا احد من رجالکم و لکن الرسول اللہ و خاتم النبیین اور نیز قول زید کا مخالف اجماع کے ہے اس لئے از صحابہ تا اندم کوئی مفسر و محدث وجود تعداد خاتم النبیین کا مقرر نہیں۔ شاید کہ حدیث شاذ کہ قسطانی وغیرہ میں مرقوم ہے اور اس سے قائل نے اجتہاد کر کے باعانت و وسوسہ شیطان کے قائل اس تعداد کا ہوا ہو۔ یہ اجتہاد اس کا بچند وجوہ باطل ہے۔ پس اس صورت میں زید خارج از مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ جمیع فرق اہل اسلام سے خارج۔ کس واسطے کہ کوئی فرقہ قائل اس کا نہیں کہ سات خاتم النبیین ہیں۔“

مندرجہ بالا فتوے پر درج ذیل علما کرام اور مفتیان عظام کی تصدیقات ہیں:-

مولانا سدید الدین خاں خلف مولانا رشید الدین خاں

1

دوسرا جواب مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا آیا انہوں نے اس کے جواب میں تین رسالے لکھے۔

مولانا تقی علی خاں کے عقیدہ کی حمایت اور ان کے عقیدہ و موقف کی تائید اور ”مناظرہ احمدیہ“ و ”تحذیر الناس“ کی رد میں درج ذیل رسالے و کتب لکھے گئے:-

(۱): تحقیقات احمدیہ حل اوہام نجدیہ ۱۳۸۹ھ/ 1872ء:-

مولانا فضل مجید بدایونی (م ۱۳۲۴ھ/ 1906ء) تلمیذ مولانا عبد القادر بدایونی نے مناظرہ احمدیہ کے جواب میں یہ رسالہ لکھا۔ یہ مطبع الہی آگرہ میں چھپا۔

(۲): الکلام الاحسن:- مولانا احسن نانوتوی کے رد میں مولانا ہدایت علی بریلوی کا رسالہ ہے

(۳): تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال ۱۳۹۱ھ/ 1874ء:-

مفتی حافظ بخش آنولوی نے شائع کی۔ اس میں مولانا تقی علی خاں کی حمایت اور مولوی احسن دامیر احمد سہوانی کی مذمت کی ہے۔

(۴): فتاویٰ بے نظیر در نفی آنحضرت بشیر و نظیر:-

اس رسالہ میں تمام علماء کے فتوے یکجا شامل ہیں جو اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے۔ بدایوں اور بریلی کے علماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں

(۵): قسطاس فی موازنة اثر ابن عباس:-

مولانا شیخ محمد تھانوی کی اس موضوع پر قابل قدر کتاب ہے اس میں مولانا تقی علی خاں کے موقف کی حمایت کی گئی ہے۔

اس طرح اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا احسن نانوتوی منکر خاتم

النبین ٹھہرتے تھے اس لئے فتوؤں کی رو سے مولانا احسن نانوتوی کی تکفیر مشہور ہو گئی۔ اس کے بعد

مولانا احسن نانوتوی نے ایک اشتہار شائع کیا جس کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ مولانا نانوتوی نے توبہ

2 مولانا مفتی ولی النبی رامپوری

3 مولانا سید حسین شاہ محدث رامپوری

4 مولانا محمد حیدر علی رامپوری

5 مولانا شیخ محمد علی درویش مطوف رامپور

6 مولانا عبدالحق خیر آبادی بن علامہ فضل حق خیر آبادی

7 مولانا عبدالمعلی رامپوری

8 مولانا محمد یعقوب علی خاں رامپوری

9 مولانا ظہر الدین احمد رامپوری

ان کے علاوہ رامپور کی ایک عظیم مذہبی شخصیت اور مولانا تقی علی خاں اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے متفقہ عالم دین مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی کو بھی مولانا تقی علی خاں کی طرف سے اشتہار بھیجا گیا۔ آپ نے قرآن وحدیث ومحدثین وفقہاء عظام کی طرف سے ثابت کیا کہ:-

”اس پر عقیدہ رکھنا اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ خاتم

النبین حضور ﷺ ہیں اور حدیث شاذ ہے۔“ ۱

اس فتوے پر بھی نوحلمائے کرام ومفتیان عظام کی تصدیقات ثبت ہیں۔

دوسری جانب مولانا احسن نانوتوی نے بھی اپنے عقیدہ وموقف کی حمایت حاصل کرنے کیلئے

ایک سوالیہ اشتہار چھپوا کر دیگر اصلاخ کے علماء ومفتیان عظام کو بھیجا مگر صرف دو جواب آئے۔ پہلا

جواب مولانا احسن نانوتوی کے رشتہ دار مولانا قاسم نانوتوی نے دیا اور کتاب ”تحذیر الناس“ تخریر

کی۔ مولانا قاسم نانوتوی نے تو یہاں تک لکھا کہ:-

”رسول کا خاتم ہونا عوام کا خیال ہے۔ بایں معنی کہ آپ کا زمانہ

انبیائے سابق کے بعد ہے اور سب میں آخری نبی ہیں۔“ ۲

کر لی ہے۔

اس اشتہار میں مولانا احسن نانوتوی نے لکھا:-

”عید الفطر کے روز سے چرچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خاں صاحب نے ایک اسٹنٹا رامپور سے منگوایا ہے جس کی رو سے میری تکفیر مشہور کی وہ اسٹنٹا میری نظر سے بالخصوص نہیں گزرا بعد تشریف لانے مولوی یعقوب علی خاں کے میں نے اس کی نقل مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علما کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت ﷺ کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقہ کے ساتھ جانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہذا پر نظر دور کرنے منطوق عوام یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا نہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا۔ پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصور کیا جائے۔ الشہر محمد احسن صدیقی“۔

ماحصل

دراصل یہ مناظرہ مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا امیر احمد بدایونی کے درمیان منعقد ہوا تھا جس کی روداد رسالہ بنام ”مناظرہ احمدیہ“ میں مولانا نذیر احمد بدایونی نے شائع کرائی اور اس میں بالواسطہ طور پر مولانا احسن نانوتوی کو شامل کیا۔ چونکہ مولانا نانوتوی عید گاہ باقر حج بریلی میں نماز عیدین کی امامت کرتے تھے اس لئے ان کے خلاف آواز اٹھنا ایک قدرتی اور فطرتی بات تھی۔

مولانا احسن نانوتوی کی جانب سے اثر ابن عباس کی صحت میں جو تحریرات شائع ہوئیں ان سے ”مناظرہ احمدیہ“ میں شائع ہوئی تحریر کی تائید ہوتی تھی مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ جو اپنے ہم عصر علما میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور زبردست دینی فہم و فراست اور فقیہانہ شان کے مالک تھے ان کا مولانا نانوتوی کے مقابل آئنا نہ ہی دینی تقاضہ تھا

”مناظرہ احمدیہ“ میں جو تحریر شائع ہوئی اگر مولانا نانوتوی ابتداء میں ہی اس کا رد کر دیتے تو معاملہ اتنا طول نہ پکڑتا مگر اس کے برخلاف انہوں نے اس تحریر کو صحیح ثابت کرنے کی سعیء الاحاصل کی اور نتیجہ در انجام تو یہ نامہ شائع کرنا پڑا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تنازعہ میں ان تمام علما نے جو صحت اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے مولانا نانوتوی کی تکفیر کی مگر مولانا نقی علی خاں نے انتہائی احتیاط سے کام لیا اور مولانا نانوتوی کی تکفیر نہیں کی اور ان کے عقیدہ کو عقیدہ اہل سنت کے خلاف قرار دیا۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:-

”مولوی صاحب ممدوح کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی۔ نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں جواب علیحدہ لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔“

شہید محبت کا سفر آخرت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمہ اللہ کا خونی اسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق 1880ء کو وصال ہوا۔ علما نے اس کو شہادت سے تعبیر کیا۔ آپ اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں جوار استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی آپ کے آخری لمحات کا اس طرح بیان کرتے ہیں:-

۱۱ سلخ ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹ھ کو اکیاون برس پانچ ماہ کی عمر میں بعارضۃ اسہال و سوسہ شہادت پا کر شب جمعہ اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کے کنار میں جگہ پائی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

روز وصال نماز صبح پڑھ لی تھی اور ہنوز وقت ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا۔ نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے۔ جب چند انفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر پھیرا گویا وضو فرما رہے ہیں یہاں تک کہ اشتیاق بھی فرمایا سبحان اللہ! اپنے طور پر حالت بے ہوشی میں نماز بھی ادا فرما گئے۔ جس وقت روح پر فتوح نے جدا فرمائی فقیر سر ہانے حاضر تھا۔ واللہ العظیم ایک نور طبع علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اشکر برق تابندہ کی طرح چمکا اور جس طرح لعان خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔“ ۱

مولانا تقی علی خاں بریلوی کے وصال پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے درج ذیل تواریخ

وفات استخراج کیں:-

- ۱ کانه نہایۃ مع العظما
- ۲ خاتم اجلہ الفقہا
- ۳ امین اللہ فی الارض ابدا

- ۴ ان فقد فتک کلمۃ بہایتدی
- ۵ ان موتۃ العالم موتۃ العالم
- ۶ وفاة عالم الاسلام ثلثۃ فی جمع الانام
- ۷ خلل فی باب العباد لا ینسد الی یوم القیام
- ۸ یا غفور
- ۹ کمل لہ ثوابک یوم النشور
- ۱۰ امتحۃ جنت للمتقین

مولانا تقی علی خاں

ارباب علم و دانش کی نظر میں

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی :-

سیدی والد ماجد میری نعمت کے والی اہل تحقیق کے خاتم، اہل تدقیق کے امام، حامی سنت، ماحی بدعت، عمدہ تصانیف، غالب جیتروشن طریق والے حضرت مولانا تقی علی خاں صاحب القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی۔

الاجازات المتینہ - از - امام احمد رضا ص ۱۱۸

نبیرہء حافظ الملک نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی :-

”مولانا رضا علی خاں کے نخل کمال سے ایک گل تازہ کھلا جن علم فصاحت و بلاغت بھی پھولا پھلا یعنی انہوں نے نسخہ آب و تاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ”سرور القلوب فی ذکر الخوب“ تالیف کیا ہے۔ یہ رنگ برنگ کے مضامین رنگین سے میدان بیان کو غلت دیہ باغ رضوان بنا دیا ہے گلہائے وعظ و پند کی شگفتگی سے عین یقیں ہوتا ہے کہ یہ کتاب گلستان بلکہ رنگین عبارت کی روش سے کھلتا ہے کہ واقعی عین گلستان ہے اور شگفتگی میں سراسر ہمہ پہلہ بوستاں ہے۔“

تقریظ برسرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۶

مولانا ظفر الدین بہاری :-

جناب فضائل مآب، تاج العلماء، راس الفضلاء، حامی سنت، ماحی بدعت، بقیۃ السلف، حجت الخلف مولانا تقی علی خاں رضی اللہ عنہ

حیات اعلیٰ حضرت (جلداول) ص ۶

مولانا ہدایت علی ہدایت بریلوی :-

مجمع مکرم اخلاق، منبع جود اشفاق، قول بارگاہ رب العالمین، مداح سید المرسلین، ہادی اُمت رسول خدا، نحر امواج علم صدق و صفا، افضل علمائے زمان، مولوی محمد تقی علی خاں، ابن مولوی محمد رضا علی خاں بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے۔ انسان سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے۔

تقریظ دوم برسرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۵

مولوی عبدالحی رائے بریلوی

الشیخ الفقیہ، تقی علی، ابن رضا علی، بن کاظم علی، بن اعظم شاہ بن سعادت یار خاں الافغانی البریلوی احد الفقہاء الحنفیہ اسناد الحدیث عن شیخ احمد بن زین دحلان الشافعی۔

نزهتہ الخواطر ص ۵۰۹

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا نے اکثر علوم و فنون اپنے والد ماجد علامہ محمد تقی علی خاں سے حاصل کئے۔ وہ علم و دانش کا بحر ذخارتھے۔ امام احمد رضا کے سید میں علم و فضل کا سیلاب ادھر ہی سے امنڈ کر آیا تھا۔

عشق ہی عشق - ناشر المختار، پبلیکیشنز کراچی ص ۷

مرزا عبد الوحید بیگ نبیرہء مرزا مولوی غلام قادر بیگ

آپ کو درس و تدریس کا بڑا شوق تھا آپ کی ذات مرجع علماتھی آپ کے اقوال و آراء کو علماء وقت سند تسلیم کرتے تھے۔

حیات مفتی اعظم ہند ص ۳۴

مولوی ابراہیم خوشنتر:-

درس و تدریس تصنیف و تالیف کے علاوہ علم و عمل، فکر و نظر، فہم و فراست میں بے نظیر تھے۔ مزید برآں سخاوت و شجاعت، غربا سے محبت، حکام سے نفور، خلوت و جلوت میں اتباع سنت، امور دینی میں استقامت آپ کی زندگی کا روشن پہلو ہے۔ پھر عشق رسول ﷺ اور سرکوبی اعدائے دین رسول مقبول تو آپ کا سرمایہ زندگی تھا۔

تذکرہ جمیل ص ۹۷

مولوی رحمن علی ممبر کونسل ریاست حیدرآباد:-

مولانا نقی علی خاں ذہن ثاقب و رائے غالب رکھتے تھے حق تعالیٰ نے ان کو عقل معاش و معاد دونوں میں ممتاز اقران بنایا تھا علاوہ شجاعت جلی کے حضرت محفت سخاوت، تواضع و استغنا سے موصوف تھے اپنی تمام عمر قیمتی اشاعت سنت و ازالہ بدعت میں صرف فرمائی۔

تذکرہ علمائے ہند۔ لکھنؤ ۱۹۱۳ء ص ۱۷۰

مفتی بدرالدین احمد گورکھپوری:-

حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد شاہ رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر، بے نظیر مصنف گزرے ہیں۔

سوانح اعلیٰ حضرت، ناشر رضا اسلامک مشن بریلی ص ۹۴

پروفیسر مجید اللہ قادری (جامعہ کراچی)

آپ کو 43 سے زیادہ مختلف علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی آپ نے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلباء دور دور سے آپ کے دولت کدہ پر اکتساب

علم کے لیے آتے تھے۔

معارف رضا جلد نہم ص ۱۹۷

مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصنیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔

ماہنامہ ڈائجسٹ استقامت کا پورماہ مئی ۱۹۸۳ء ص ۵۷

ڈاکٹر حسن رضا خاں پی۔ ایچ۔ ڈی

حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر اور بے نظیر مصنف تھے۔

فقیہہ اسلام۔ ناشر اسلامک پبلیکیشنز پٹنہ ص ۱۱۷



باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ

پندرہویں صدی عیسوی میں اردو نثر کا آغاز ہوا اور سولہویں صدی عیسوی تک اردو زبان پورے ملک میں پھیل گئی۔ اردو زبان میں تصنیف و تالیف کی غایت ادبی نہ ہو کر مذہبی تھی یعنی اردو کی زیادہ تر تصانیف تبلیغ اسلام کیلئے لکھی گئیں۔ اس طرح علما صوفیا و مشائخ کی کادشوں سے اردو نثر نشوونما پا کر ترقی کی منزل پر پہنچی۔ انیسویں صدی تک اسلام کا علمی و دینی سرمایہ بڑی حد تک اردو میں منتقل ہو چکا تھا اردو کی ابتدا جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی اس کو فوت کرنے کے لیے مئی 1800ء میں کلکتہ میں انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا اس کالج میں جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان کا مقصد مذہبی نہ ہو کر ذہنی تفریح تھا۔ اس کالج نے مذہب سے ہٹ کر دیوؤں، پریوں، بھوتوں، طوطا جیٹا وغیرہ فرضی کہانیوں پر کتب تصنیف کرائیں اور اس کام کو فروغ دینے کے لیے دہلی لکھنؤ وغیرہ سے بھی آزاد مزاج لوگوں کو آمادہ تصنیف کیا اس طرح اسلامی تہذیب و تمدن و معاشرت کو ملیا میٹ کرنے کی پوری کوششیں کی گئیں اور مسلم معاشرہ کو مغربیت میں غرق کرنے کی سازشیں رچی گئیں۔

اردو نثر جو اسلام کے فروغ و تبلیغ و اصلاح معاشرہ کے لیے عالم وجود میں آئی تھی وہ اردو نثر اب اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کی جانے لگی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے بھی خواہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ و فروغ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ کس طرح اسلامی معاشرہ و عقائد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر خاموش تماشا ئی بنے رہ سکتے تھے۔ چنانچہ شاہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزاد، مفتی سعد اللہ، مولانا فضل رسول بدایونی، امام بخش صہبائی اور مفتی نقی علسی جیسے مبلغین اسلام نے اسلامی تہذیب و تمدن کی ڈھنکی ہوئی کشتی کو سہارا دیا اور قوم کو گمراہی

گنج باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ

سے بچانے کے لیے نہ صرف عقائد اسلامی کی حفاظت کی بلکہ اردو نثر کی عزت و آبرو بھی بچائی اور اردو نثر جس مقصد کے لیے وجود میں آئی تھی اسے پورا کیا۔

امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے مسلمانوں کے سینوں کو لہریز کرنے کے لیے ہی اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ مولانا نقی علی خاں نے مغربی لباس و آداب و معاشرت کی زبردست مخالفت کی، مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی بہبودگی اور ترقی کے لیے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو لازمی قرار دیا آپ نے اپنے نظریہ کی تبلیغ کے لیے مندرجہ ذیل کتب تھنیف کیں:-

غیر مطبوعہ:-

- 1 : ازالۃ الاوهام
- 2 : تزکیۃ الایقان و تقویت الایمان
- 3 : الکوکب الزہری فی فضائل العلم و آداب العلماء
- 4 : الروایۃ الرویۃ فی الاخلاق النبویۃ
- 5 : الخافۃ النعویۃ فی الخصائص النبویۃ
- 6 : وسیلۃ النجات
- 7 : لمعۃ النہر اس فی آداب الاکل و اللباس
- 8 : ترویج الارواح فی تفسیر سورہ الم نشرح
- 9 : المسکن فی تحقیق مسائل التزین
- 10 : خیر الخاطبۃ فی الحاسبۃ و المراقبۃ
- 11 : ہدایت المصنق الی سیر النفس و الافاق
- 12 : ارشاد الاحباب الی آداب الاختساب
- 13 : اجمل الفکر فی مباحث الذکر
- 14 : عین المشاہدۃ لحسن المجاہدہ
- 15 : تشوق الاداء الی طریق محبۃ اللہ
- 16 : نہایۃ السعادت فی تحقیق الصمت و الارادۃ
- 17 : اقوی الذریعۃ الی تحقیق الطریقۃ و الشریعۃ
- 18 : اصلاح ذات بین

مطبوعہ:-

- 1 : الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح
- 2 : سرور القلوب فی ذکر المحبوب
- 3 : جواہر البیان فی اسرار الارکان
- 4 : اصول الرشاد قمع مبانی الفساد

- 5 : ہدایت البریۃ الی شریعت الاحمدیہ
- 6 : ازاۃ الامام لمنشی عمل المولد و القیام
- 7 : فضل العلم و العلماء
- 8 : احسن الوعلا آداب الدعا

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے تقریباً چالیس کتب تصنیف کیں جن میں مندرجہ بالا چھتیس (۲۶) نام ہی معلوم ہو سکے ہیں۔ کچھ تصانیف کے مسودے بستوں میں ملے جن کے اجزا اول، آخر یا وسط سے گم تھے ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے مولانا کی غیر مطبوعہ کتب بھی نایاب و عتیقا ہیں باوجود کوشش و جستجو کے حاصل نہیں ہوئیں۔ مولانا کی کتابوں کے نام عربی میں ہیں مگر کتابیں اردو میں ہیں۔ یہاں ہم ان کی مطبوعہ کتب پر تبصرہ کریں پیش گے۔

- | | | |
|------------|---|--|
| نام کتاب | : | الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح |
| اشاعت اول | : | مکتبہ رضا الیوان عرفان پبلسپور (پہلی بھیت) |
| اشاعت ثانی | : | مکتبہ رضا پبلسپور ضلع پہلی بھیت |
| صفحات | : | ۳۳۸ صفحات بڑی تقطیع |

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف سورہ الم نشرح کی تفسیر ہے۔ سورہ الم نشرح آٹھ آیات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر میں اتنی ضخیم کتاب ابھی تک تصنیف نہیں کی گئی۔ یہ کتاب مولانا نے عوام الناس کے فائدے کے لئے لکھی تاکہ عوام اس کو پڑھ کر گمراہیت اور لادینی سے نجات پاسکیں۔ اس لیے اس کا طرز تحریر نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں خود لکھتے ہیں:-

”اس تالیف سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل و کمال اس لیے اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور رنگینی عبارت اور تقریرات مشکلہ اور مضامین مغلقہ اور مجمع اور ترسیع ترک کر کے سہل سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔“ ۱

کتاب کے آغاز میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب تصنیف کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا مقدمہ ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نقی علی خاں بریلوی نے ستاسی (۸۷) کتب کے نام لکھے ہیں جن کے حوالے مولانا بریلوی نے اپنی اس کتاب میں دیئے ہیں مثلاً حصین، اسماعیل قاضی، ابو عیسیٰ، ترمذی، مدارج النبویہ، عین العلم، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ وغیرہ۔ ان ستاسی (۸۷) کتب کے علاوہ مولانا بریلوی نے دیگر کتابوں جیسے تفسیر کبیر، تفسیر طبری، مفاخر الاسلام، شرف المصطفیٰ، جواهر التفسیر، شرح سنن، مواہب الدنیہ، کیمیائے سعادت وغیرہ کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں اپنے زمانے کے زبردست عالم و فاضل تھے اور آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ مولانا بریلوی نے اپنی تصنیف میں تواریخ، انجیل، زبور کے حوالے بھی دیئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا بریلوی ان کتب آسمانی کے بھی زبردست عالم تھے اور ان پر کامل قدرت رکھتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس تفسیر میں جس کتاب کے جہاں جہاں حوالے دیئے ہیں طوالت سے بچنے کے لیے ان کے پورے نام لکھنے کے بجائے ایک یا دو حرف لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مثلاً فرقان مجید لئے ف، ترمذی کیلئے ت، نسائی کے لیے ق، اشاہ کے لیے شب، کامل ابن عدی کے لیے آل وغیرہ۔ کس کتاب کے لیے کیا حرف یا حروف اختیار کئے گئے ہیں اس کی فہرست بھی مولانا نے ابتدائیہ میں ہی تحریر کر دی ہے۔

مولانا کے علم و فضل اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا اندازہ اس کتاب کے مقدمہ سے ہی ہو جاتا ہے جس میں مولانا نے محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں اردو میں دو سو پینسٹھ (۲۶۵) القاب و آداب استعمال کئے ہیں اور پھر آگے چل کر عربی زبان میں بھی دو سو اٹالیس (۲۳۸) القاب سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر کئے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

گورنمنٹ سندھ ڈگری کالج سندھ (پاکستان) کے پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے مولانا بریلوی کی تفسیر سورہ الم نشرح کے صرف مقدمہ سے متاثر ہو کر مقالہ بعنوان ”عشق ہو عشق“ تحریر کر ڈالا جس میں مولانا بریلوی کے علم و فضل اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ”تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق و محبت کا عالم نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کے علم و فضل کی شان نظر آتی ہے۔ بے شمار علوم نقلیہ و عقلیہ کی مصطلحات اور کتابوں کے نام آٹھ صفحات میں اس طرح پر دیئے ہیں جیسے لڑ میں موتی۔

بے شک علم خادم عشق ہے۔۔۔ انھوں نے علم کو عشق کی چوکت پر جھکا کر بتا دیا کہ حاصل علم عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں۔۔۔ اللہ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صفحہ ۴ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا بس بھر کیا تھا۔ ذہن بھی رواں، دل بھی رواں زباں بھی رواں، قلم بھی رواں۔۔۔ زباں رکتی نہیں، قلم ٹھہرتا نہیں ایک سیل رواں ہے کہ چلتا چلا جا رہا ہے۔“ ۱

پانچ ابواب پر مشتمل یہ کتاب قرآن مقدس کے رموز و نکات، احادیث مبارکہ کی تشریح، فقہی مسائل، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات، اسلام کی وحدانیت، تصوف وغیرہ کی بہترین تحقیقات کا خزانہ اور نجات و مغفرت کا پروانہ ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا آغاز ”شرح صدر“ کی توضیح اور تشریح سے کیا ہے عربی لغت میں شرح صدر کے معنی سینہ کو کشادہ اور فراخ کرنے کے ہیں۔

محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر

بھیجا۔ فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور قلب کو علم و حلم، مہر و محبت اور انوار و تجلیات سے بھر دیا اور پھر سینہ اطہر کو برابر کر دیا۔ اصطلاح میں اسی کو شرح صدر کہا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے شرح صدر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) شرح صدر ظاہری (۲) شرح صدر باطنی۔

شرح صدر ظاہری چار بار واقع ہوا۔

۱۔ اول مرتبہ کسی میں حلیمہ سعدیہ کے گھر

۲۔ دوسری بار دس برس کی عمر میں،

۳۔ اور چوتھی بار معراج کی رات یہ معاملہ واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے چاروں دفعہ سرکار انبیاء علیہم السلام کو اپنے نور کے خزانے سے بہت کچھ عطا فرمایا۔ مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے چاروں دفعہ کے شرح صدر ظاہری کا تذکرہ انتہائی دلنشین انداز میں کیا ہے۔ دوسری بار کے شرح صدر کا ذکر ملاحظہ ہو۔

فرشتوں نے سینہ مبارک کو چاک کیا اور شفقت و مہربانی سے

بھر دیا۔ غضب غصہ اس امر کا مقتضی ہے فرور ہے اور مہر و محبت

کہ گنہ گار ان امت کو اس کی حاجت ہوتی۔ علت ہو جاوے

حضرت فرماتے ہیں اسی دن سے اپنے دل میں شفقت و

مہربانی پاتا ہوں۔“

”شرح صدر باطنی“ عنوان کے تحت مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے توحید، ایمان، نور ایمان

علم، طلب علم، علم سے شیطان کی عداوت، احتساب نفس، عالم کی فضیلتیں، حضور کو یتیم کرنے کی حکمت و

استقامت وغیرہ اکیس موضوعات پر اپنی تحقیق کے موتی بکھیرے ہیں اور ہر موضوع پر نہایت مدلل اور

محققانہ بحث کی ہے۔

”عالم کی فضیلت“ موضوع کے تحت مولانا بریلوی نے عالم کی اہمیت و عظمت، بیان کی ہے

اور ساتھ ہی ان نام نہاد واعظین کی بھی خبر لی ہے جو نام و نمود یا مالی منفعت کے لیے من گھڑت حدیثیں

اور جھوٹی روایتیں بیان کر کے قوم کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے خود ساختہ واعظین کے بارے میں مولانا

بریلوی کا خیال ہے۔

”ہیہات ہیہات اس زمانے کے کتاب خواں اور واعظین

انذار اور تحویف سے کچھ کام نہیں رکھتے یہاں تک کہ

ارحم الراحمین کی رحمت اور شفیع المذنبین کی شفاعت کے

بارے میں موضوع حدیثیں اور جھوٹی روایتیں بیان کرنے

بلکہ خود وضع کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔“

اسی جگہ آپ نے یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔ ”جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے نشست گاہ

اپنی روزخ میں بناوے۔“

آجے چل کر مولانا نے ان لوگوں سے بھی گوشائی کرائی ہے جو عالم کی تعظیم و تکریم سے احتراز

کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کہتے ہیں۔

”جس وقت عالم کو دیکھتے ہیں تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور

اسکی تعظیم کو اٹھنا اور مرنا برابر جانتے ہیں اور جب کسی ہنود

اہل کار کو آتے دیکھتے ہیں تعظیم کے لیے دروازہ تک استقبال

کرتے ہیں۔“

شرح صدر باطنی کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے اور

پہلا باب ”شہرت مقدمہ“ کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں آپ نے

بارہ موضوعات کے تحت سرکار دو جہاں علیہ السلام کے اوصاف، کمالات، انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ

بیان کئے ہیں۔ حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کے لئے ’دعائے پیغمبران‘ موضوع کے تحت مولانا

بریلوی نے امت مسلمہ کی عظمت و توقیر بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ حضور ﷺ کی امت اتنی عظیم ہے کہ

بارہ پیغمبروں نے حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کی دعا مانگی۔ اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور اللہ تعالیٰ میں جو کلام ہوا اس کا ذکر مولانا بریلوی نے اس طرح کیا ہے۔

ایک بار ان (موسیٰ علیہ السلام) خطاب ہوا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جو احمد ﷺ کو نہ مانے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ عرض کیا الہی احمد کون ہے؟ فرمایا وہ تمام خلق کا سردار ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے میں نے اس کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ لکھا جب تک اس کی امت داخل نہ ہو لے بہشت کو سب مخلوق پر حرام کیا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الہی مجھے اس امت کا پیغمبر کر۔ ارشاد ہوا ان کا پیغمبر انہیں میں سے ہوگا۔ عرض کیا مجھے اس پیغمبر کی امت کر۔ حکم ہوا تو زمانے میں اس سے مقدم ہے وہ تیرے بعد آئے گا۔ ۱

قرآن مقدس کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں نے بھی حضور کی عظمت و جلالت، اللہ کا رسول اور پیغمبر ہونے کی گواہی دی ہے۔ مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے ابو نعیم، بحی السنہ، مطالع المسرات، تورات، یوحنا، مواہب اللدنیہ وغیرہ آسمانی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں بھی حضور کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے اور حضور کی آمد کی پیش گوئی بھی کی گئی ہے۔ یوحنا جسے عیسائی لوگ چوتھی انجیل کہتے ہیں اس کا مندرجہ ذیل حوالہ دے کر مولانا نے ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کی آمد کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ یوحنا میں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

”تمہارے لیے میرا جانا ہی سودمند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے گا، پھر اگر میں جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اور جب وہ آوے گا جہاں کو تو بیخ کرے گا اور الزام دے گا بسبب گناہ

کے کیونکہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائے۔“ ۱

مولانا نے ثابت کیا ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں لفظ ”فارقلیط“ حضور اکرم ﷺ کے لئے آیا ہے۔ مولانا نے فارقلیط کی تشریح بڑی وضاحت کے ساتھ کی ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی اور قابلیت کی مظہر ہے۔ مولانا کہتے ہیں:-

”فارقلیط یونانی لفظ ہے کئی معنی میں مشترک کہ سب ہمارے حضرت پر صادق ہیں۔ اول تسلی دینے والا دوم شفاعت کرنے والا، سوم وکیل، چہارم بہت سراہا گیا اور یہی معنی محمد ﷺ کے ہیں، پنجم بہت سراہنے والا کہ معنی احمد کے ہیں۔“ ۲

اصل انجیل مقدس عبرانی میں نازل ہوئی اور مولانا نقی علی خاں علیہ السلام نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اصل انجیل مقدس میں فارقلیط کی جگہ ”احمد“ ہی وارد ہوا ہے مگر متعصب ترجمہ نگاروں نے ترجمہ کرتے وقت تنگ نظری سے کام لیا اور ”احمد“ کا ترجمہ اپنی مرضی سے کر ڈالا یعنی یونانی ترجمہ نگاروں نے ”احمد“ کا ترجمہ فارقلیط کیا اور دیگر زبانوں کے مترجمین میں کسی نے ”تسلی دہندہ“ کسی نے ”شفیع“ اور کسی نے ”وکیل“ لکھا مگر صحیح ترجمہ جو قرآن مقدس کے مطابق یعنی ”بہت سراہنے والا“ ہے نہیں لکھا جبکہ 1871ء میں انجیل مقدس کے عربی ترجمہ میں بعینہ احمد ہی لکھا ہے۔

دوسرا باب ”شہرت متاخرہ“ کے عنوان سے ہے۔ اس میں مولانا نقی علی خاں نے سرور کون و مکاں ﷺ کی ولادت شریفہ کے بعد پیش آنے والے واقعات و حالات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ اسی باب میں حضرت عمر فاروق اعظم علیہ السلام کا قبول اسلام، خلیفہ ہونا اور فتوحات و رعب و جلال کا بھی ذکر ہے اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق علیہ السلام کی خلافت کا بیان بڑے پراثر انداز میں کیا ہے۔ محبوب رب کائنات ﷺ بچپن میں فرزند ان حلیمہ کے ہمراہ مکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔

بکریاں چرانے میں جو کتنے پوشیدہ تھا اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے۔
پروردگار نے بکریاں چرانے کی رغبت اس جناب کے
دل میں اس لیے پیدا کی کہ یہ کام سیاست اور شفقت
برضعتاً امت اور صبر بر مشقت وغیرہ امور سے جن کی
آپکو حاجت ہوتی تھی نہایت مناسبت رکھتا ہے اور آدمی
کو تواضع اور انکسار سکھاتا ہے۔“ ۱

تیسرا باب ”حسن محمدی ﷺ“ کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا نے دو فصلوں
میں تقسیم کیا ہے۔ اول فصل حسن ظاہری اور فصل دوم حسن باطنی کے بیان میں ہے۔
اول فصل میں مولانا نقی علی خاں ﷺ نے حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے مختلف اعضاء کی
خوبیاں و حسن انتہائی دلکش اور رنگین عبارت میں بیان کی ہیں۔ اس فصل کی ابتدا میں مولانا بریلوی نے
حضور ﷺ کے حسن ظاہری کے بیان میں صحابہ کرام کے اقوال بیان کئے ہیں اور قرآن مقدس کی آیات
پیش کی ہیں۔ اس باب میں مولانا نے اپنے قلم کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ قاری جھوم جھوم اٹھتا ہے۔
حضور ﷺ کی مدح و ثناء میں الفاظ کا سمندر موجزن نظر آتا ہے اور جذبات کا سیلاب امنڈتا ہوا محسوس ہوتا
ہے۔ مولانا بریلوی نے حضور ﷺ کے سرانور کی جو تعریف کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

سراسر سرالہی سے معمور، مخزن دانش شعور، سر دفتر دیوان سر
بلندی، درۃ التاج فرق ارجمندی، قبلۂ انوار غیبیہ، خزانہ اسرار
الہیہ، درج گوہر نبوت، برج سپہر رفعت، سب سے بلند و بالا،
ہمسرا اس کا دیکھانہ سنا اور فرد رسالت اس سے پیدا، افسر
شفاعت اس پہ زیبا، سر فرازان عالم اسکی سرکار میں فرق اراوت
زمین انکسار پر رکھتے ہیں اور سرشاران بادہ نخوت اس کے حضور

اپنی سرکشی اور خود سری سے توبہ کرتے ہیں۔

تاج خورشید ہمیشہ سے ہے اسی سے پور نور

بہر تسلیم جھکے رہتے ہیں سر اس کے حضور

فلک نیلگوں اس کی طلب میں سرگرداں ہے اور اوج گردوں

اس فرق ہمایوں پر قربان سر و سر فرازاں کی یاد میں بہار و خزاں

آزاد اور ہما۔ نے بلند پرواز اس کے ہوائے شوق میں خانماں

برباد، فرقہ فلک اس کی جناب میں سر بر زمین نیاز اور سہر سر

سر بلند اداں اسکی قصر رفعت کا فرش یا انداز طائر تیز پرواز

عقل اس کے اوج سے بال و پر شکستہ اور سمند صبا گام خیال

اس کی تو صیف میں پائے خرام بستہ

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہ سوار کا

پہنچے کب اس تک بات ہمارے غبار کا

یا ایہا المشتاقون بنور جمالہ صلوا علیہ وآلہ“ ۱

اس باب کی دوسری فصل حضور اکرم ﷺ کے حسن باطنی کے بیان میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور
کو ہزاروں ایسی خوبیاں عطا فرمائیں جن کا کوئی شمار نہیں اور نہ ہی کوئی ذی عقل ان سے واقف ہے۔
جب دنیا کی تمام چیزوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا تو پھر حضور کے اوصاف کا شمار کس طرح ممکن ہے کہ سرکار
ﷺ کا خلق دنیا سے عظیم تر ہے۔ مولانا نقی علی خاں ﷺ نے انسانی بساط کے مطابق حضور کے اخلاق و
عادات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا نے حضور کی صداقت، عبادت، سخاوت، شجاعت،
قناعت، عدالت، عادت وغیرہ سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا حضور ﷺ کی قناعت کا ذکر
اس طرح کرتے ہیں:-

”ایک روز ابن عمر سے فرمایا اے عمر کے بیٹے! میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا اگر میں خدا سے قیصر و کسری کا ملک مانگتا بیشک مجھے عنایت فرماتا مگر میں ایک دن کھاتا ہوں تو دوسرے دن فاقہ کرتا ہوں۔ اے ابن عمر! کیا حال ہوگا جب تو ان لوگوں کو دیکھے گا کہ سال بھر کا کھانا جمع کریں گے اور یقیناً ان کے ضعیف ہوویں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ﷺ کو کو دیکھا کہ چٹائی پر لیٹے ہیں۔ نشان اس کا بدن مبارک پر بن گیا ہے اور چھوڑے کی چھال کا تکیہ سر ہانے رکھا ہے۔ مجھے رونا آیا عرض کیا یا رسول اللہ قیصر و کسری کیسے ناز و نعمت میں ہیں اور آپ خدا کے رسول اس تکلیف و محنت میں ہیں فرمایا اے عمر! ان کے لے دنیا اور ہمارے لئے آخرت“۔

چوتھا باب ”احسان نبوی“ کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا نے قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور دیگر الہامی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اس عالم کا وجود آپ ﷺ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔ آپ تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے یہاں تک کہ پیغمبروں کے لیے بھی آپ رحمت بن کر آئے۔ حضور ﷺ کے طفیل میں ہی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر فضیلت و بزرگی حاصل ہوئی چنانچہ مولانا بریلوی فرماتے ہیں:-

”پروردگار عالم نے بطفیل آپ کے اس امت کو روز ازل بہترین اہم لکھ دیا اور اس کا مرتبہ سب امتوں سے زیادہ کیا۔ ہزاروں کرامتیں اور نعمتیں آپ کے سبب سے ہم کو حاصل

ہوئیں اور لاکھوں شرافتیں اور بڑائیاں اس جناب کے صدقہ میں ہم کو ملیں بہشت ان کے سبب سے ہاتھ آئی اور دوزخ سے بوسیلہ ان کے رہائی پائی۔“۔

اس کتاب کا پانچواں اور آخری باب ”خصائص شریفہ“ کے عنوان سے ہے یہ باب پچھلے چاروں ابواب سے زیادہ طویل اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات، درود شریف کی فضیلت و اہمیت، دعا کے طریقے اور شرائط، عبادت کی قسمیں، فرائض نماز، کلمہ طیبہ کے فضائل وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے محبوبیت سے خاص فرمایا اور اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا۔ قرآن مقدس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی اہم بات اپنی طرف منسوب کی تو حضور کی طرف بھی اسے منسوب فرمایا۔ مولانا نے قرآن مقدس کی ایسی اداں (52) آیتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے محبوب کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی باب میں آگے چل کر حضور کے اسمائے شریفہ کے معنی، عظمت و اہمیت انتہائی محققانہ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ مولانا نے صرف اسم محمد ﷺ کے بہت سے اوصاف بیان کئے ہیں اللہ نے لفظ محمود کو اپنے اور اپنے محبوب میں مشترک رکھا ہے محمد ﷺ کے معنی بکثرت اور بار بار تعریف کئے گئے ہیں یعنی اللہ اپنے محبوب کے برابر کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ اسی طرح روز محشر حضور ﷺ کی اس قدر مدح و ثنا فرمائیں گے کہ کسی مخلوق نے نہ کی ہوگی۔

نام مبارک محمد ﷺ چار حروف ہیں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ اس چار حرفی اسم مبارک کی وجہ سے کائنات کا وجود ہے۔ مولانا بریلوی نے اس بات کو اس طرح ثابت کیا ہے:-

”اس نام مبارک محمد ﷺ میں چار حروف ہیں اور مقرب فرشتے بھی چار ہیں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام

اور پیغمبر صاحب شرائع بھی سوا حضرت کے چار ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور خلفائے راشدین بھی چار ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، حیدر رضی اللہ عنہم اور عمد عبادات مقصودہ بھی چار ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور سلسلہ حضرات صوفیا کے بھی چار ہیں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اور مجتہد امت کے بھی چار ہیں ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل۔ عناصر کہ ترکیب انسان کی ان سے ہے چار ہیں پانی، مٹی، آگ، ہوا۔ اور وجود ہر شے کا چار علتوں پر موقوف ہے علت مادی، علت صوری، علت فاعلی، اور علت غائی جہات عالم بھی چار ہیں شرق، غرب، جنوب اور شمال اور دریا بہشت کے بھی چار ہیں دریائے شہد، دریائے شیر، دریائے آب، دریائے شراب۔ بہشت کی نہریں بھی چار ہیں زمخلیل، سللیل، ریحق، تنیم۔ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے بھی چار نہریں جاری ہیں نیل، فرات، سحان، صبحان اور فرض وضو کے بھی چار ہیں منہ دھونا، ہاتھ کہنوں تک دھونا، پاؤں ٹخنوں تک دھونا، چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ روزہ میں بھی چار فرض ہیں نیت کرنا، جماع سے بچنا، کھانا نہ کھانا اور پانی نہ پینا اور غسل مسنون بھی چار ہیں غسل جمعہ، غسل احرام، غسل عید الفطر، غسل عید النضیٰ اور آٹھ بہشت چار سرا ہیں دارالحیوان، دارالخلد، دارالقام، دارالسلام اور چار باغ جنت الفردوس، جنت النعیم، جنت العدن، جنت الملایٰ اور لا الہ الا اللہ کہ حصن امان ہے اس میں بھی چار کلمے ہیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ مفتاح خزانہ قرآن ہے

اس میں بھی چار کلمے ہیں اور زکوٰۃ بھی چار قسم کے جانوروں میں جاری ہے۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا اور اٹھانے والے عرش کے بھی چار ہیں۔ اور نام مبارک حضرت کا قرآن میں چار جگہ وارد ہوا ہے۔ محمد اللہ رسول اللہ، ماکان محمد اباحد، و ما محمد الا رسول، نزل علی محمد۔ اور بنی آدم میں چار گروہ افضل ہیں۔ پیغمبر، صدیق، شہید، صالحین۔ اور صحت حج کی بھی چار باتوں پر موقوف ہے اسلام، احرام، عرفات میں کھڑا ہونا، وقت پر حج کرنا۔ اور جو کلمات خدا کو بہت پیارے ہیں وہ بھی چار ہیں سبحان اللہ، والحمد للہ، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر۔“ ۱

عام خیال یہ ہے کہ محبوب خالق کائنات کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل نام پاک محمد ﷺ کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ مولانا تقی علی خاں نے اپنی تصنیف میں یہ انکشاف کیا ہے کہ لوگوں نے یہ سن کر کہ محمد ﷺ نام کے نبی آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے جن لوگوں نے یہ نام رکھے مولانا نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اس طرح ہے۔

”یہ نام مبارک ازل سے آپ کے لیے خاص ہے مگر بعض لوگوں نے یہ بات سن کر کہ زمانہ نبی آخر الزماں کا قریب ہے اور نام پاک ان کا محمد ہو گا اپنی اولاد کا نام محمد رکھا اور عجائب قدرت الہی سے یہ کہ ان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کا نہ کیا۔ منہم محمد بن عدی و محمد احمہ اور محمد بن اسامہ اور محمد بن برآ، محمد بن حارث، محمد بن خزاعی، محمد بن خولی و محمد بن یحمد و محمد بن قصمی و محمد بن مسلمہ و محمد بن فرمان و

محمد بن حرمان یعنی ان میں محمد بن مسلمہ اور محمد بنی برآ مسلمان ہیں اور محمد بن عدی کے اسلام میں اختلاف ہے۔“ ۱

مولانا تقی علی خاں نے اس باب میں تصوف کے بعض مسائل اور مشکل اصطلاحات بہت صاف اور سادہ زبان میں بیان کئے ہیں جو اردو زبان میں اس سے قبل دیکھنے کو نہیں ملتے۔ تصوف کے بعض مسائل سوال و جواب کی صورت میں حل کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔ اپنے تفویض، خواہش، آزادی، ریاضت نفس، نصب، تجرید و تفرید وغیرہ اصطلاحات تصوف کی وضاحت کی ہے اپنے تجرید و تفرید کے مندرجہ ذیل چھ معنی بیان کئے ہیں:-

تجرید و تفرید:- معنی اول:- تجرید یہ ہے کہ جو اس وقت تیرے پاس ہو اس سے کنارہ کر اور تفرید یہ ہے کہ فردا کی فکر میں دل کو مشغول نہ رکھ۔

معنی دوم:- تجرید یہ ہے کہ خلق سے جدا رہے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہ، اغیار اور آخرت اور دنیا کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کرے۔

معنی سوم:- تجرید یہ ہے کہ غیر کا نام زبان پر نہ لاوے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہ، غیر دل پر حرام کرے۔

معنی چہارم:- تجرید اور تفرید یہ ہے کہ کم بولے اور کم سوئے و کم کھائے کہ بہت بولناؤ کر سے اور بہت سونا فکر سے باز رکھتا ہے اور بہت کھانا دل پہ سستی اور گرانی اور قوی میں کاہلی پیدا کرتا ہے۔

معنی پنجم:- تجرید یہ ہے کہ علانی کو چھوڑے اور تفرید یہ ہے کہ اپنے نفس سے علاقہ نہ رکھے۔

معنی ششم:- تجرید طہارت ظاہر اور تفرید طہارت باطن سے عبارت ہے اور یہ سب معانی اس جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کو بافظ نصب تعبیر کرنا واسطے بیان سختی اور صعوبت کے ہے۔ یہ سب باتیں کہنے میں آسان ہیں اور کرنے میں دشوار ہیں کہ یہ کام جان و دل سے ہوتے ہیں اعضا یہاں بیکار ہیں۔

مولانا نے ”آزادی“ کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں

”آزادی بندگی کو کہتے ہیں جو بندہ نہیں آزاد نہیں، شاذ نہیں

طوق بندگی جن کی گردن میں ہے وہ خواہ وہ سردار دو عالم ہیں جو خدا کا ہو جاتا ہے تمام عالم میں حکم اس کا جاری ہوتا ہے۔“

آگے چل کر مولانا تقی علی خاں علیہ السلام نے یہ بتایا ہے کہ اتباع شریعت ہی اصل چیز ہے جو لوگ اس کی اہمیت کو گھٹانے یا نظر انداز کرنے والی ذہنیت رکھتے ہیں انہیں ہدایت کی روشنی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کچھ نام نہاد صوفیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو صوفی حقیقت تک پہنچ گیا اس کو شریعت کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ یہ انداز انتہائی گمراہ کن ہے اتباع شریعت کے بغیر منزل تک پہنچنے کی تمنا کرنا سراسر خود فریبی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا بربیلوی کہتے ہیں:-

”اے عزیز، طلب طریقت کی بے شریعت ایسی ہے جیسے کوئی شخص بے سیڑھی کو گٹھے پر چڑھنا چاہے۔ پس جو لوگ خلاف شریعت پر اصرار کرتے ہیں اور وقت مواخذہ اور اعتراض کے کہتے ہیں کہ شراب پینا، ناچ دیکھنا، ریڈی لوٹڈی کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا سر پر عورتوں کی طرح چوٹی رکھنا شریعت میں منع ہے ہم لوگ اہل طریقت ہیں ہم کو بیروی شریعت کی ضرورت نہیں قرآن وحدیث اہل شرع پر حجت ہیں ہم کشف والہام سے مطلب کو دریافت کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے دین اور ایمان کو برباد کرتے ہیں اور شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر مطلب کی ایک راہ مقرر ہے بے اتباع شریعت طریقت حاصل نہیں ہوتی اور بے بیروی محمد ﷺ کے کوئی دولت ہات نہیں آتی اگر یہ دولت، محنت اور ریاضت بے اتباع شریعت ہات آتی برہمنوں اور جوگیوں کو بھی حاصل ہوتی۔“ ۲

اس طرح ”الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح“ مفتی نقی علی خاں کی معرکتہ الادب تصنیف ہے جس میں قرآن شریف کے رموز و نکات، احادیث کی تشریح، فقہی جزیات، اقوال ائمہ و محدثین اور دیگر مذاہب کی کتب سے سیرت رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات اور اسلام کی حقانیت و وحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے یہ کتاب عوام الناس کے فائدے کے لیے تصنیف کی اس لیے اس کا اسلوب نگارش اس زمانہ کے مروجہ طرز تحریر کے مقابلہ میں بہت سادہ اور سلیس ہے۔ آپ کی تحریر میں شگفتگی اور دلکشی ہے۔ مولانا بریلوی نے الفاظ سوچ سمجھ کر جمع نہیں کئے ہیں بلکہ بے تکلف جودل سے نکلا اسے زبان سے ادا کر دیا جس سے جملوں میں تناسب اور موزونیت خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کی عبارت میں نہ تو بے ربطی ہے اور نہ پھیکا پن ہے۔ آپ نے ادق سے ادق علمی و مذہبی مسائل کو فصیح و بلیغ اور سادہ زبان میں ادا کر دیا ہے۔

تفسیر سورہ الم نشرح کے مطالعہ سے ہی مولانا نقی علی خاں کے تبحر علمی، دقت نظر، اور وسعت ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے اس کتاب میں اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور دیگر مذہبی کتب کے حوالے دیئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو اردو، عربی و فارسی پر کامل عبور حاصل تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے جابجا موقع اور محل کی مناسبت سے اردو، فارسی و عربی کے اشعار بھی تحریر کئے ہیں جس سے عبارت کی خوبصورتی اور دلنشینی میں اضافہ ہوا ہے۔ آپ نے زمانے کے دستور اور معیار کے مطابق مقفی و مسجع عبارت کا بھی استعمال کیا لیکن ایسی عبارت قاری کے ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے اس میں ایک لطیف آہنگ، بلیغ موسیقیت اور دل آویز ترنم پایا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے مقفی عبارت میں حضور اکرم ﷺ کے امروئے مبارک کی تعریف جس والہانہ انداز میں کی ہے اس کی مثال اردو ادب میں مشکل سے ملے گی۔ مثال کے طور پر عبارت ذیل درج ہے:-

”لوح جہیں کے قریں، مطلع نجم سعادت، موج بحر لطافت ہلال ماہ عید، طاق خانہ غورشہد، مہ تسمیہ صباحت، حرم حریم ملاحت، بیت حمد کبریا، جوہر آئینہ مصطفیٰ، سفینہ نجات نوح کلیہ ابواب فتوح۔ فلک پیر غم اس مخراب کعبہ کے گرد طواف کنتاں، اور ہلال عید اس طاق حرم پر جان و دل سے قرباں۔ دل زاہد اس گوشہ عافیت میں چلے نشیں اور کماندار فلک اس کے حضور سر برز میں۔ تیر قضا اس کے اشارہ پر چلتا ہے اور سینہ ماہ دو ہفتہ اس کے تیر محبت سے خست ہے۔“

نام کتاب	:	سرور القلوب فی ذکر المحبوب
سن تصنیف	:	۱۲۸۲ھ مطابق 1865ء
اشاعت اول	:	۱۲۸۸ھ مطابق 1871ء
اشاعت دوم	:	1918ء مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
اشاعت سوم	:	۱۳۰۵ھ مطابق 1985ء بشیر برادرزادہ پور
اشاعت چہارم	:	رضا اکیڈمی بمبئی
اشاعت پنجم	:	فاروقیہ کلبڈ پو جامع مسجد دہلی
شخامت	:	تین سواڑ سٹھ صفحات اشاعت پنجم۔

مولانا نقی علی خاں کی یہ تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ حضور سید عالم ﷺ کے اوصاف جمیلہ، کمالات جلیلہ اور سیرت طیبہ پر مبنی آپ کی واحد تصنیف ہے جو آپ کی حیات میں

ہی شائع ہوئی۔ روہیلکھنڈ میں اس موضوع پر تصنیف کی اولیت مولاناقلی علی خاں کو حاصل ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے 1871ء میں مولانا کی حیات میں شائع ہوئی اور زبردست مقبولیت حاصل کی۔ اس کے بعد یہ کتاب عرصہ تک نایاب رہی۔ دوسری بار سینتالیس سال بعد 1918ء میں مطبع نوکلشور لکھنؤ سے شائع ہوئی اور تیسری بار سرسکھ ۶۷ سال بعد 1985ء میں شبیر برادرز لاہور نے شائع کی جس سے اس کتاب کی افادیت اور مقبولیت کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل نواب پر مشتمل ہے۔

- | | | |
|---|---|--|
| ☆ | ۱ | نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور دیگر احوال۔ |
| ☆ | ۲ | آیہ کریمہ و رفعنا لک ذکرک کی تفسیر |
| ☆ | ۳ | آیہ مبارکہ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین کی تفسیر |
| ☆ | ۴ | حضور سید عالم ﷺ کا حسن ظاہری |
| ☆ | ۵ | حسن معنوی و باطنی |
| ☆ | ۶ | خصائص شریفہ |
| ☆ | ۷ | معراج شریف |
| ☆ | ۸ | معجزات |
| ☆ | ۹ | درد و شریف کی اہمیت، اس کے فوائد۔ نام پاک ﷺ سن کر درد و شریف نہ پڑھنے والوں کی مذمت اور درد پاک کی برکتیں۔ |

کتاب کی ابتدا میں مولاناقلی علی خاں کے ہم عصر اور مشہور و معروف مصنف و شاعر نواب نیاز احمد خاں ہوش نبیرہ و حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی باوقار تقریظ ہے جس میں ہوش صاحب نے مولاناقلی علی خاں کی وسعت ذہنی، تبحر علمی اور کتاب حذا کی زبان و بیان اور کتاب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ نواب صاحب کہتے ہیں

”فی الحال نخل کمال سے ایک گل تازہ کھلا، چمن علم فصاحت و بلاغت بھی پھولا پھولا یعنی انہوں نے نسخہ باب و تاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ”سرور القلوب فی ذکر الحبوب“ یہ رنگ برنگ کے مضامین رنگینی سے میدان بیان کو چلت و وہ باغ رضواں بنا دیا ہے۔ گلہائے وعظ و پند کی شکستگی سے عین یقین ہوتا ہے کہ یہ کتاب جواب گلستاں بلکہ رنگینی عبارت کی شکستگی سے کھلتا ہے کہ واقعی عین گلستاں ہے نزہت اور شکستگی میں سراسر ہم پلہ بوستاں ہے لفظوں میں ہزار ہا معنی مناسب رنگ برنگ کے پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ مردم دیدہ بھی جن کے دیکھنے سے ہر دم تر و تازگی پاتے ہیں۔ ہزار ہا دقائق و نکات علمیہ سے یہ کتاب بھری ہے یا شجرہ علم کی کلی ہے۔ اہل اسلام کی نظر میں ہر باب اس کا غیرت افزائے جناں ہے۔ اس کے ہر فصل پر بلا مبالغہ فصل بہاری کا گمان ہے۔ ہوائے مطالعہ اس کی بد اعتقادوں کے چمن طبع کیلئے سرسبز صحر ہے۔ خوش اعتقادوں کو اس کی سیر گلگشت فردوس کے برابر ہے۔ حاسدوں کا غنچہ بنی اسے دیکھ کر مر جھاتا ہے۔ گل طبع میں صم بگم کا رنگ نظر آتا ہے

کیوں نہ پڑمرده گلہائے مضامین عدد

باغ حاسد کے لیے باد غزائی یہ ہے ۱

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ہدایت علی ہدایت بریلوی کی تقریظ ہے۔ ہدایت علی مولاناقلی علی خاں کے ہم عصر اور اپنے زمانے کے جید عالم مصنف اور مشہور زمانہ شاعر تھے۔ مولانا ہدایت علی

بریلوی مولاناقلی علی خاں رحمہ اللہ کی توصیف میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

”مجمع مکارم و اخلاق منبع جو دو اشفاق قبول بارگاہ رب العالمین
مداح سید المرسلین، ہادی امت رسول خدا، بحر موانع علم صدق و صفا
افضل علمائے زمان مولوی محمد تقی علی خاں ابن مولوی محمد رضا علی خاں
مرحوم بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے۔ انسان
سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے۔“

اشاعت سوم میں تقریضات سے قبل جامع نظامیہ، رضویہ لاہور کے جناب محمد عبدالحکیم شرف
قادری نے صاحب تصنیف مولاناقلی علی خاں کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر بڑے دلنشیں
انداز میں کیا ہے۔ اسی تیسرے ایڈیشن میں ”مہر و ماہ“ لاہور کے ایڈیٹر جناب فدا حسین قدانے کتاب کی
نئے سرے سے پیرا بندی کی ہے اور قدیم انداز بیان کو نئے قالب میں پیش کیا ہے۔ اس طرح مولاناقلی
علی خاں کا اصلی انداز بیان اور طرز تحریر کتاب کی اول دوم اشاعتوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کتاب کا پہلا
اور تیسرا دونوں ایڈیشن دستیاب ہوئے ہیں۔

مرور دو جہاں رحمہ اللہ کی محبت تمام محبتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اس عالم فانی کی تمام محبتیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں۔ سرور کون و مکان کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔ اس کتاب کے
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مولاناقلی خاں بریلوی رحمہ اللہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان
کے یہاں اسوہ و سرکار دو جہاں رحمہ اللہ کی صحیح تقلید اور عشق رسول کی سچی تڑپ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
آپ کی تصنیفات میں معارف قرآن و حدیث، اسرار عشق و معرفت اور زبان و بیان کی دلکشی پوری آب و
تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

زیرہ تبصرہ کتاب میں اپنے سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ، اعمال و کردار،
فضائل و اخلاق اور اسوہ حسنہ کا بیان نہایت عقیدت و محبت سے کیا ہے جس کی مثال نایاب نہ سہی کم یاب

شہرور ہے۔

مولاناقلی علی خاں رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں میں عشق
رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنے کی کوشش میں اپنی زندگی صرف کی اور امت کو محبوب رب العالمین رحمہ اللہ کے مقام و
مرتبہ سے آگاہ کیا اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے۔

مولاناقلی خاں کی تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ کا پہلا

باب ”ولادت باسعادت“ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نے تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی
ولادت باسعادت، بچپن، رضاعی والدہ، رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات وغیرہ کا ذکر انتہائی
عقیدت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ ساتھ ہی مولانا نے احادیث مبارکہ اور مستند مذہبی کتب کے حوالوں
سے ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لاتے ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اپنی امت کی بخشش
چاہی۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں:-

”ابن عباس کہتے ہیں اول کلمہ جو زبان فیض ترجمان سے نکلا یہ
تھا ”اللہ اکبر کبیر أو الحمد لله کثیر“ سبحان الله بکر تا
واصلہ“ قسطنطینی اور ابو نعیم روایت کرتے ہیں کہ بعد ولادت
کے آپ نے خدا کو سجدہ کیا اور انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھا
کر فرمایا لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ سوائے ندا کے کوئی
معبود نہیں بیشک میں خدا کا رسول ہوں۔ بعض روایت میں ہے
جناب الہی میں عرض کیا یا رب ہب لی امتی۔ خدایا میری
امت مجھے بخش دے۔ خطاب ہوا وہبتک امتک باعلیٰ
ہمتک۔ میں نے تیری امت بسبب تیری بلندی و ہمت کے
مجھے بخشی۔“

محبوب خداوند عالم سے بچپن میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں ان کا بھی مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بہت موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس باب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا بھی ذکر کیا ہے۔ آقا نے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کی گمراہی اور انکار پر افسوس فرماتے تو اللہ تعالیٰ جبریل امین کے ذریعہ وحی نازل فرماتا اور آپ کو تسلی اور تشفی دیتا اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ فرماتا اسی وعدہ الہی کے مطابق تھوڑے ہی عرصے میں آپ کے بڑے بڑے دشمن عذابیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوئے۔ ایسے دشمنان رسول کے ساتھ کیا معاملات پیش آئے ان میں سے کچھ کا ذکر مولانا نے اس طرح کیا ہے:-

”بڑے دشمن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرح طرح کے عذابیوں اور مصیبتوں کے ساتھ واصل جہنم ہوئے ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ بدھن کی لڑائی میں مارے گئے اور ابی بن خلف کہ بڑا دشمن حضرت کا تھا آپ کے ہاتھ سے احد کے دن زخمی ہوا یہ زخم جو شخص دیکھتا کہتا کاری نہیں ہے۔ جواب دیتا اے نادان! یہ زخم اس کے ہاتھ کا ہے کہ تمام کافروں کے بدن پر ہلکا سا چرکا لگا دیں ایک بھی زندہ نہ بچے گا

اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ مجھ پر قھوک دیتے زندہ نہ رہتا آخر دوزخ کو راہی ہوا۔ ام جہیل لکڑیوں کا گٹھاسر پر اٹھائے آتی تھی کہ رسی اس کے گلے میں پڑ گئی اور گٹھا لٹک گیا ہر چند تدبیر کی نہ نکل سکا۔ آخر گلا گھٹ کر اور تڑپ تڑپ کر مر گئی اور شوہر اس کا ابو لہب عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا

تین رات دن گزارا یہاں تک کہ نقی اس کی سڑ گئی چوتھے دن مزدوروں نے دفن کر دی۔“

کتاب کا دوسرا باب ”رفعنا لک ذکرک کی تفسیر“ کے عنوان سے ہے۔

یہ آیہ مبارکہ سورہ الم نشرح کی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر کی گئی بے انتہا عنایتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک ہے ورفعنا لک ذکرک (ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند فرمایا) اللہ تبارک تعالیٰ نے سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منصب اور مقامات عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے ذکر پاک کو وہ بلندی و درجات عطا فرمائے کہ قیامت تک کوئی اس کا ہسر نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے نہ صرف آپ کا ذکر بلند فرمایا بلکہ آپ کو بلندی و مرتبہ کا مالک بھی بنایا۔ جس کو چاہیں آپ بلند فرمائیں اور جس کو دھتکار دیں اس کی دنیا و عاقبت دونوں غارت ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں اعلان فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کا ذکر محبوب کی خاطر بلند فرمایا ان میں سے بعض کا ذکر مولانا نقی علی خاں نے کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:-

”حضرت جل جلالہ و علم نوالہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے اور اونچا ہم نے تیرے لیے ذکر کیا ہے اور تیرا نام اپنے نام کے ساتھ اذان اور اقامت اور نماز اور خطبہ اور کلمہ اور نذر دیک کیا اور بہشت کے ہر قصر و غرفہ اور دیوار اور دروازہ اور پردہ اور ساق عرش معلیٰ اور اوراق سدرة المنتہی پر لکھا۔ ساتوں آسمانوں میں کوئی مکان نام نامی سے خالی نہیں۔ جس جگہ لا الہ مستور ہے محمد رسول اللہ بھی ضرور ہے۔ قرآن مجید میں جس جگہ کوئی امر اپنی طرف نسبت کیا وہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی یاد فرمایا تمام عالم کی طرف آپ کو مبعوث کیا اور اپنی محبت و اطاعت کو آپ کی اطاعت و محبت پر موقوف رکھا۔ ایمان بغیر آپ کی تصدیق کے مکمل نہیں ہوتا لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہے جب تک محمد رسول کو نہ مانے کچھ کام نہیں آتا بلکہ آپ کی یاد میں خدا کی یاد ہے۔“ ۱

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں مولانا نے آگے بتایا ہے کہ حضور ﷺ کے پیغمبر ہونے کی پیشگوئی تورات کے علاوہ دیگر انبیائے کرام نے بھی فرمائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کے بعد اسی پیشگوئی کی بنیاد پر کئی یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:-

”جب حضرت پیغمبر ہوئے بعض یہود آپ کے حالات تورات اور انبیاء کے ارشادات سے مطابق دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔“ ۲

تیسرا باب ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین کی تفسیر“ کے عنوان سے ہے اس آیت کی تفسیر میں مولانا علی خاں لکھتے ہیں:-

”اے عزیز! عالم امکان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ آپ کی رحمت سے مستفیض نہ ہو کمالات موجودات کے وجود پر متفرغ ہیں اور وجود عالم کا آپ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے عالم نہ ہوتا۔“ ۳

بلاشبہ سرکار کی ذات اقدس سراپا رحمت ہے آپ نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ جن و انس، مومن و کافر کے لئے یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے کیلئے حسب حال رحمت ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کی رحمت سے محروم ہو۔ ملا علی قاری سرکار کائنات ﷺ کی رحمت عامہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ شرف، کرم کا وجود اقدس تمام مخلوق خدا کے لیے رحمت ہے کیونکہ حقیقتاً عالمین کا اطلاق اللہ کی ذات کے سوا ہر شے پر ہوتا ہے اور یہاں بالاتفاق کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو اس کے اطلاق کے منافی ہو۔“ ۱

مولانا علی خاں نے حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

جبریل امین کا رحمت سے حصہ:- ایک روز آپ نے جبریل امین سے پوچھا خدائے تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین کیا تمہیں میری رحمت سے کیا فائدہ ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے انجام سے ڈرتا تھا جب آپ پر قرآن اتر اور پروردگار نے اس میں میری تعریف کی ذی قوۃ عند العرش ممکن مطاع ثم امین خوف میرا زائل اور اپنی حسن عاقبت پر مجھے اطمینان حاصل ہوا۔

پیغمبروں کا رحمت سے حصہ:- پیغمبروں کا آپ کی ذات پاک سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ اور آپ کے پیروان کی تصدیق کرتے ہوئے قیامت کے روز انکی گواہی دیں گے اور انکی تصدیق اور دشمنوں کی تکذیب کریں گے۔

فرشتوں کو رحمت سے فائدہ:- فرشتوں کو یہ فائدہ ہوا کہ آپ پر درود بھیجتے ہیں اور بسبب اس کے رحمت الہی کے مورد ہوتے ہیں۔

کافروں کو رحمت سے فائدہ:- کافروں کے حق میں آپ کی رحمت یہ ہے کہ بسبب آپ کے استیصال سے محفوظ رہے اگلے پیغمبروں کے وقت میں جو لوگ کفر و شرک کرتے فوراً ہلاک ہو جاتے

چوتھا باب ”جمال مصطفیٰ ﷺ“ کے عنوان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ

کی ذات مبارکہ کو کمالات و درجات باطنی کے ساتھ ساتھ بے مثال حسن ظاہری بھی عطا فرمایا۔ دنیا کے تمام حسینوں کا حسن و جمال آپ کے در کا صدقہ ہے یہاں تک کہ حسن یوسف بھی سرکار ﷺ کے حسن کا ایک جز ہے۔

اس باب میں مولانا تقی علی خاں رحمہ اللہ نے خاتم المرسلین ﷺ کے سرانور سے ناخن پائے اقدس تک تمام اعضائے مبارکہ کی خصوصیات کا ذکر انتہائی والہانہ انداز میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا تقی علی خاں نے قرآن مقدس کی آیہ مبارکہ یا ایہا النبی انارسلنک شہادہ و مہمرا و نذیرا و داعی الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً کی تفسیر پیش کی ہے۔

سراجاً منیراً کے معنی بعض مفسرین نے ”روشن چراغ“ اور بعض نے ”روشن آفتاب“ سے تعبیر کئے ہیں مولانا نے دونوں معنوں کے فضائل و فوائد بیان کئے ہیں۔ ”چمکتا چراغ“ کے مولانا نے چار فائدے بیان کئے ہیں پہلا فائدہ یہ کہ حضور کے وجود ذی جود سے کفر و شرک کی تاریکی دور ہوئی اور تمام عالم نور ایمان و عرفان سے منور و روشن ہو گیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس دل میں حضور کی محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے شیطان اس پر قابو نہیں پاتا۔ تیسرے یہ کہ آپ کی محبت کا نور تاریک دل کو روشن کرتا ہے اور چہارم یہ کہ جس گھر میں چراغ ہوتا ہے وہاں جی نہیں گھبراتا اس طرح جس دل میں حضور ﷺ کی یاد ہے غم و الم اس کے پاس نہیں آتا۔

”روشن آفتاب“ کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں۔

”جس طرح سورج کا نور تمام عالم میں محیط ہے اسی طرح سارا جہاں آپ کے نور سے منور ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ستاروں کو مسافروں کی رہنمائی کے لئے بنایا اور آفتاب اس بات میں ان سے ممتاز فرمایا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو

گمراہوں کے واسطے بھیجا اور ہمارے حضرت کو اس بات میں

اور تمام فضائل و کمالات میں ان سے افضل و اکمل کیا۔“ ۱۔

مولانا نے آگے چل کر محبوب خالق کائنات ﷺ کے سراپا کی جمال آفرینی، کمال حسن کی بلندیوں، دلکشی، جاذب نظری، حسن و جمال کی رعنائیوں کا ذکر جس عقیدت و محبت سے کیا اس کی مثال مشکل ہے۔ مولانا نے حضور ﷺ کے روئے انور کا ذکر کس لطیف انداز میں کیا ملاحظہ ہو۔

”روئے روشن زلف سیاہ میں نمایاں ہے یا نور بھر مردک چشم سے درخشاں، ماہ دو ہفتہ پر نور عارض سے تاباں شمس باز غدا اس کے مدرسہ تنویر میں شمس خوں لعل بدخشاں کا اس کی رنگینی سے دم فنا اور گلستان ارم کا صرصر خجالت سے رنگ ہوا۔ اس عارضہ پر نور کے عشق میں رنگ رخسار سحر فقی ہے اور سینہ ماہ شق مرآت خیال کو سکتے، چراغ صبح سسکتا، مطہر گلزار سرد، رنگ شفق زرد، دل شبنم افسردہ، روئے گل پڑ مردہ، دربار گریاں، مرجان بے جان، آئینہ حیران، خود شید سرگرداں، شمع چراغ سحر، عقیق خون در جگر، لالہ خونین کفن، قمری طوق غم بہ گردن، یا قوت بے دم، لعل زیر بار غم، ید بیضا دست ہر دل، قدر بے تیغ بسمل بلبل کو اس گلستان خوبی کی یاد میں سبق بوستاں فراموش اور مرغ چین اس گل رنگیں کے شوق میں روز و شب نالاں، مدہوش آئینہ حلب پر اگر وہ سر عرب عکس انگن ہو سوز محبت سے گل جائے اور ورق گل پر اگر وصف عارض رنگیں زیب رقم ہو

پیر بن میں پھولا نہ سائے۔“ ۱

کتاب کا پانچواں باب ”سیرت مصطفیٰ ﷺ“ کے عنوان سے ہے اس میں مولانا نے سرکار رسالت مآب ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے

حضور سرور عالم ﷺ کا خلق و محاسن و افعال متاع دنیا سے عظیم تر ہے۔ آپ کا زہد، عفت و حیا، خوف خدا، رحم و کرم، شجاعت و عدالت، قناعت و صداقت، سخاوت و صبر و شکر، تواضع و تقویٰ، کلام و روش، نشست و برخاست، قول و فعل وغیرہ سب بے نظیر تھے۔ آپ کا ہر فعل عبادت تھا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا چاگنا، کھانا پینا، دعا سلام وغیرہ سب خدا کے لئے تھے۔ آپ کا کوئی کام خدا سے مانع نہ تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے انہیں سب پہلوؤں کا ذکر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا نے متعدد مثالوں کے ذریعہ بتایا ہے کہ سرکار ﷺ کے خلق عظیم کے کافر و مشرک بھی قائل تھے اور کچھ مشرکین سرکار ﷺ کے خلق سے متاثر ہو کر ایمان بھی لائے۔

اسی باب میں مولانا نقی علی خاں نے حضور ﷺ کی پسند و ناپسند کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سرکار ﷺ اور اللہ کے نزدیک تمام عبادتوں میں افضل نماز ہے۔ خود سرکار ﷺ اس عبادت کو بہت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور تمام عبادتوں سے زیادہ آپ کو نماز سے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ جب آتش شوق سینہ میں بھڑکتی تو آپ نماز مشغول ہو جاتے۔ اس موقع پر مولانا نقی علی خاں مسلمانوں کو نماز کی تاکید بھی کرتے ہیں۔ مولانا نماز کی تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

”اے عزیز! نماز بارگاہ بے نیاز اور مقام مناجات دراز ہے۔

بگو بن عبد اللہ کہتے ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو بے استیاد ان

خدا کے حضور جائے اور بے ترجمان اس سے کلام کیا چاہے

تو اچھی طرح وضو کر کے محراب میں داخل ہو اگر مصلیٰ جانے کس

کے حضور بلایا جاتا ہوں دنیا و متاع دنیا ایک نماز کے شکرانے

میں تصدق کرے۔ منادیان حضرت اعلیٰ ہر روز پانچ بار تجھے اس

کے حضور بلا تے ہیں حیسی علی الصلوٰۃ حیسی علی الفلاح

اور تو ایک بار بھی نہیں جاتا۔ قیامت کو اگر دریا خون کے آنکھ

سے بہائے گا ایک رکوع اور سجدے کی اجازت نہ دیں گے۔“ ۱

آگے چل کر مولانا نے نماز کے کچھ مسائل بھی بیان کئے ہیں اور نماز کی اہمیت و افادیت قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کی ہے۔

سرکار کائنات ﷺ کے خلق عظیم کے بہت سے واقعات مولانا نے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر پیش ہے۔

”جس یہود نے آپ کو زہر دیا تھا جب اس نے اقرار کیا کہ

میں نے آپ کے قتل کے لئے یہ حرکت کی تھی صحابہ نے

اسے قتل کرنا چاہا آپ نے چھوڑ دیا۔“ ۲

کتاب کا چھٹا باب خصائص مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نقی علی خاں نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے خصائص شریفہ کا بیان بہت مفصل اور مدلل انداز میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاجدار کائنات ﷺ کو تمام خلق سے زیادہ مخصوص فرمایا اور سب پیغمبروں کی صفات حضور میں جمع فرما کر اپنی خاص مہربانیوں سے مجملہ فرمایا۔ اس باب میں مولانا نے سرکار کے خصائص میں سے صرف بارہ خصائص کا ذکر انتہائی ندرت کے ساتھ کیا ہے۔ بارہ خصائص کا اہتمامی ذکر اس طرح ہے:-

خاصہ اول محبوبیت :- اس ضمن میں مولانا نے بتایا ہے کہ سرکار ﷺ سے جن فرشتے بلکہ

وحشی و طیر محبت کرتے ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ نے روز ازل

سے بد نصیب کیا اور چٹمی لکھ دیا۔ خلق کا ذکر کیا خود خالق کون و مکان آپ سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت میں ہی آپ کے شہر و وطن اور آپ کی زندگی کی قسم کھاتا ہے اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی محبت کا اپنی محبت کے ساتھ، حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، سرکار ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا اور سرکار ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ یہاں تک کہ سرکار ﷺ کے فرمانبردار کو اپنا محبوب فرمایا۔

خاصہ دوم رسالت عامہ:- اس میں مولانا نقی علی خاں نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ جن و انس پر مبعوث تھے۔ اسی لئے آپ کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ تمام جمادات، نباتات آپ کی اطاعت و تصدیق کرتے ہیں۔

خاصہ سوم:- سرکار کائنات ﷺ کے کثرت اسما کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں اس میں مولانا نے حضور کے نام اقدس محمد ﷺ کے صفات شریفہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی پر دلالت کرتا ہے

خاصہ چہارم عبد یا بندہ ہونا اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں نے سرکار ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ ”میں بادشاہ پیغمبر ہونا نہیں چاہتا بلکہ بندہ پیغمبر ہونا چاہتا ہوں“ پروردگار نے آپ کو عبد اللہ فرمایا انبیاء کے مقابلہ میں اللہ ﷻ نے آپ کو نعم العبد اور عبد اشکور فرمایا۔

خاصہ پنجم سرکار ﷺ کا جسم اطہر سراپا اعجاز تھا۔ آپ کے پسینہ سے مشک کی خوشبو

خاصہ پنجم

آتی بالوں سے خوشبو کی لپیٹیں نکلتیں ان کو دھو کر بیماروں کو پانی پلانے سے فوراً شفا ہوتی۔

خاصہ ششم

حوض کوثر۔ قیامت کے دن ہر پیغمبر کو اپنی امت کے لئے حوض عنایت ہوگا مگر سرکار کو حوض کوثر عنایت کیا جائیگا اس میں دو پر تالے بہشت سے آتے ہوئے یہ سرکار رسالت مآب ﷺ کے لیے ہی مخصوص ہوگا۔ مولانا نے یہاں حوض اور حوض کوثر کے امتیاز پر مدلل بحث کی ہے۔

خاصہ ہفتم

امی لقب۔ اس خاصہ پر مولانا نقی علی خاں نے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ امی منسوب بالکتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے لکھا نہ سیکھا بلکہ سب علم لوح محفوظ سے حاصل کیا۔

خاصہ ہشتم

طے کا روزہ (روزہ پر روزہ رکھنا) اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں رقم طراز ہیں:

”روزہ۔ طے کا یعنی روزہ پر روزہ رکھنا آپ کے لئے خاص ہوا۔ اور کوئی رکھنا چاہتا منع کرتے اور فرماتے میں تم جیسا نہیں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں۔ وہ مجھے کھلا دیتا ہے پلا دیتا ہے۔ اور حقیقت رات کے وقت پروردگار کے پاس ہونے اور اس کھانے پینے کی یادہ جانتے ہیں یا ان کا خدا۔“

خاصہ نہم

آپ اول مخلوقات اور اسبق موجودات ہیں اور سب کی شفاعت

کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

خاصہ دوم

آپ ﷺ کے ذکر مولد میں یہ تاثیر ہے کہ جس گھر میں پڑھا جاتا ہے ایک سال تک وہاں خیر و برکت اور سلامتی و عافیت اور رزق کی وسعت اور مال کی کثرت رہتی ہے۔ آگے چل کر مولانا نے مولد شریف کے جواز میں ائمہ و مجتہدین کے اقوال و نظریات پیش کئے ہیں۔

خاصہ عیاز دوم

شفاعت۔ مولانا قلی علی خاں نے اس خاصہ کو بھی بڑے عالمانہ اور فاضلانہ ذہنگ سے بیان کیا ہے۔ روزِ محشر پیغمبر بھی بیتِ الہی سے دم نہ ماریں گے۔ اہلِ محشر حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء کرام سے مایوس ہو کر شافعِ روزِ جزاء، سرورِ انبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہونگے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے حکم سے اپنی امت کے ایک ایک فرد کی جس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہوگا اسکی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کے وسیلہ سے دیگر پیغمبران بھی اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔

خاصہ عددِ اول و دوم

اجتماعِ کمالات۔ اللہ تعالیٰ نے اگلے پیغمبروں کے تمام کمالات بلکہ ان سے بھی افضل آپ کی ذاتِ مبارکہ میں جمع فرمائے اور اجتماع کی فضیلت انفراد پر ظاہر فرمائی۔ مولانا قلی علی خاں نے ایسے سینتیس (۳۷) کمالات کا ذکر کیا ہے جو اللہ نے دوسرے انبیاء کے مقابلہ

میں سرکارِ ﷺ کو فضیلت کے ساتھ عطا فرمائے۔

کتاب کا ساتواں باب ”معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا قلی علی خاں نے اس آیتِ مبارکہ سے شروع کیا ہے۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰی سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بَعْدَهُ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیْہِ مِنْ آیَاتِنَا ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ “ اس آیتِ مبارکہ میں سات کلمات ہیں۔ مولانا نے ہر کلمہ کے فضائل و محاسن پر انتہائی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ جس سے مولانا کے زبردست علمی وقار کا اندازہ ہوتا ہے مولانا نے ”بعبدہ“ کی تفسیر کس فاضلانہ انداز میں کی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

”بعبدہ اضافتِ عہد کی ضمیر کی طرف واسطے بیانِ عظمتِ مضاف کے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں مصاحب بادشاہ کا آتا ہے جو بڑائی اسکی کلمہ سے سمجھی جاتی ہے نام لینے میں نہیں اور تمام صفت سے عہدیت کو یہ سبب اسکی فضیلت یا بیاعلیت کے اختیار فرمایا کہ نہ کوئی صفت ہندگی کے برابر ہے اور نہ رفعت و بلندی بغیر اس کے حاصل ہو سکے۔ سعادت انسان کی ہندگی اور سرافرازدگی میں ہے مِنْ تَوَاضَعَ لِّلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ۔ گویا اس مضمون کی طرف اشارہ ہوا کہ ہم نے محمد ﷺ کو ہندگی کے عوض یہ مرتبہ عنایت فرمایا کہ چند ساعت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئے اور اپنی قدرت و حکمت کے اسرار ان پر ظاہر فرمائے۔“

خاتمِ انبیاء ﷺ معراج کی رات جبریل امین کے ساتھ آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے جب سدرة المنتہی تک پہنچے جبریل امین وہیں رک گئے انہیں آگے جانے کی اجازت نہ تھی۔ حضور رسالت

آب ۱۱ آگے تشریف لے گئے۔ حجاب زربفت کے متصل حضور ﷺ کی آمد کے بعد ایک فرشتہ نے اذان پڑھی پر دروگہ گارنے ہر کلمہ پر موزن کی تصدیق کی۔ اسی عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا اور اپنی طرف اضافت کیا۔ اذان پڑھنے میں کیا نکتہ پوشیدہ تھا۔ اس کی وضاحت مولانا تقی علی خاں نے اس طرح کی ہے:-

”اس رات نماز فرض ہونے والی تھی اس لیے اذان کہ اعلان

نماز ہے فرضیت سے پہلے سنائی تاکہ آپ یاد کر لیں اور

اختلاف صحابہ کے وقت عبد اللہ بن زید کے خواب پسند کر کے

اعلام نماز کے لیے مقرر فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ پھر اس

فرشتے نے پردے سے ہاتھ نکال کر مجھے اٹھالیا۔“

اس طرح مولانا تقی علی خاں نے واقعہ معراج کی حکمتیں، فضائل و نکات، تطبیقات مفصل اور مدلل انداز میں بیان کی ہیں۔ مولانا نے اس باب میں چار تنبیہات، ایک توجیہ، چار لطائف و حکمتیں، چار فوائد ایک تذکرہ اور چار تطبیقات کے ذریعہ واقعہ معراج کی رحمتیں، برکتیں اور فضیلتیں بیان کی ہیں۔

آٹھواں باب ”معجزات مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا تقی علی خاں ۱۱ نے حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کیا ہے سرور انبیاء ﷺ کا ایک ایک واقعہ ایمان کو تازگی بخشتا ہے اور روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

دراصل سرکار کائنات ﷺ کی پوری زندگی معجزہ ہے بلکہ آپ کی ہر ہر ادا معجزہ ہے آپ کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، بات کرنا غرض آپ کا ہر فعل و عمل معجزہ ہے مولانا تقی علی خاں نے ان گنت معجزات کا ذکر مستند احادیث مبارکہ کے حوالوں سے کیا ہے یہ معجزات سیرت نبوی ﷺ کا بھی بہترین شاہکار ہیں مولانا تقی علی خاں کس والہانہ انداز میں معجزہ کا بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

”چاہر کے والد بہت قرض اور تھوڑے خرچے چھوڑ مرے

قرض خواہوں نے انہیں گھیرا۔ آپ ان کے گھر تشریف

لے گئے اور خرچے تین انبار کئے اور بڑے ڈھیر کے گرد تین

بار پھر کر بیٹھ گئے اور قرض خواہوں کو دینا شروع کیا۔ سب

قرض ادا ہو گیا اور انبار ویسا ہی رہا۔“

اسی باب میں مولانا نے سوال و جواب کے انداز میں سرکار ﷺ کے معجزات سے متعلق مشرکین، منافقین کے شبہات کا ازالہ بھی کیا ہے۔

نواں اور آخری باب ”فضائل درود شریف“ عنوان کے تحت چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل سرکار ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے احکامات سے متعلق ہے۔ اس فصل میں مولانا نے قرآن مقدس کی آیت مبارکہ ”ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوٰۃ علیہ و سلمو تسلیما“ کے ہر کلمہ اور ہر صیغہ کی انتہائی مدلل اور مفصل تفسیر پیش کی ہے اور درود سلام کی فضیلت ثابت کی ہے۔

دوسری فصل درود شریف کے فضائل و فوائد کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا تقی علی خاں نے درود شریف کے ثواب و اجر کا بڑے عالمانہ ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ درود و سلام پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کن انعامات و اکرام سے نوازتا ہے اس کا بھی مفصل ذکر مولانا نے کیا ہے۔ مولانا نے محبوب رب العالمین ﷺ کی متعدد احادیث شریفہ نقل کی ہیں جو درود شریف کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں ہیں۔ اس کے علاوہ درود شریف کے بارے میں علامہ، فضلاء، ائمہ و مجتہدین کے اقوال و افعال بھی قلمبند کئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:-

شیخ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں جب میں مکہ سے مدینہ شریف چلا

شیخ عبدالواہاب متقی نے فرمایا اس راہ میں کوئی عبادت بعد فرض

کے درود کے برابر نہیں سب اوقات اپنے اسی میں صرف کیجیو

میں نے کہا کوئی عدد متعین ہے فرمایا یہاں عدد متعین نہیں اتنا پڑھو

کہ درود کے رنگ میں رنگ جاؤ اور اس میں مستغرق ہو جاؤ۔“ ۱۔
آگے چل کر مولانا نے ایک یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔

”آپ فرماتے ہیں درود مجھ پر صراط پر نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی (۸۰) بار درود بھیجے اسی برس کے گناہ اس کے بخشے جائیں۔“ ۲۔

کس موقع پر کونسا درود شریف پڑھنا چاہئے مولانا نقی علی خاں ؒ نے وہ درودیں بھی تحریر کی ہیں اور ہر درود شریف کی فضیلتیں اور برکتیں اس پر درود کے ساتھ لکھی ہیں۔

اس باب کی تیسری فصل ان لوگوں کے بارے میں ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ کا نام نامی سن کر درود شریف نہیں پڑھتے۔ مولانا نے اس فصل میں سرکارِ ﷺ کی وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں سرکارِ ﷺ نے ان لوگوں کو بخیل اور دوزخی قرار دیا ہے جو سرورِ کون و مکان ﷺ کا نام مبارک سن کر سرکارِ ابد ﷺ پر درود و سلام کی نچھاور نہ کرے۔

اس باب کی چوتھی فصل درود شریف کی حکایات سے متعلق ہے۔ مولانا نے درود شریف کی اہمیت و برکت کے بارے میں اس فصل میں بائیس حکایتیں تحریر کی ہیں۔ ایک حکایت اس طرح ہے۔

فاکہانی نے فخر البسیر میں شیخ صالح موسیٰ ضریر سے نقل کیا میں کشتی میں سوار تھا ناگاہ ایک ہوا جسے قلابیہ کہتے ہیں اور جہاز اس سے کم نجات پاتا ہے۔ اٹھی حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے خواب میں فرمایا۔ اہل جہاز سے کہہ ہزار بار درود شریف پڑھیں جب میں بیدار ہوا اہل کشتی سے حال کہا تین سو بار کے قریب یہ درود (درود تنجینا) ہم نے پڑھا ہوگا کہ ہوا ساکن ہوئی اور کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔“ ۳۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں کی تصنیف ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال تصنیف ہے۔ اس کے اسلوب نگارش میں ثقافتی اور بے ساختگی ہے اس کی تصنیف کا مقصد عوام کی فلاح اور اصلاح ہے۔ اس لیے مشکل اور ادق الفاظ کا استعمال بہت کم کیا ہے۔ عبارت میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے لیکن یہ استعمال اصطلاحات دین کو واضح کرنے کے لیے ضروری تھا۔ اپنے اپنی تحریر میں اردو فارسی اشعار کا برمحل استعمال کیا ہے جس سے عبارت میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔

مولانا نقی علی خاں کی زبان و بیان میں جو سوز و گداز ہے قرآن و حدیث اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کے جو اسرار و رموز ہیں وہ ان کے دور کے دیگر مصنفین کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ نیز سلاست و روانی اور زور بیان میں اپنی مثال آپ ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں کی یہ کتاب اسلوب تحریر کی بنا پر منفرد ہے مولانا نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق کہیں کہیں دقیق اور مفصل و متبع عبارت بھی استعمال کی ہے مگر ایسی عبارت ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے قاری کے دل و دماغ پر خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔

نام کتاب :	جواہر البیان فی اسرار الارکان
سن طباعت :	۱۲۹۸ھ / 1881ء
مطبع :	صبح صادق پبلیکیشنز (یو۔ پی)
صفحات :	دوسو نو (۲۰۹)

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور مفصل و بے نظیر دستور العمل ہے۔ اس کے چار بنیادی ارکان ہیں۔ (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج ان ارکان اسلام پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھا جا رہا ہے لیکن مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تصنیف لطیف ”جواہر البیان فی اسرار الارکان“ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

ہے جس میں ارکان اربعہ کے علاوہ آداب دعا، اسم اعظم، اوقات اجابت، تدبیر سفر و اعمال قضائے حاجات وغیرہ موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کی یہ کتاب علم و حکمت، عرفان بصیرت اور تصوف کے پیش بہا خزانے سے مالا مال ہے، مولانا نے اس کتاب میں شریعت مطہرہ کے رموز و نکات کو اپنی فہم و دانش سے بیان کیا ہے آپ کا اسلوب بیان منفر د اور دل نشیں ہے۔ دلائل کے ساتھ مشکل مسائل حل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب مذہبی اور علمی رموز و نکات کا خزانہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا علی علی خاں کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ نے اس کتاب کے صرف ڈھائی صفحات کی تشریح میں ایک ضخیم کتاب موسومہ ”سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوری“ (۱۲۹۷ھ/ 1879ء) تصنیف کی۔ امام احمد رضا اس کتاب کی شرح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

”فقیر غفر لہ تعالیٰ نے صرف ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ زواہر الجنہ من جواهر البیان ملقب بنام تاریخی ”سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوری“ (۱۲۹۷ھ/ 1879ء) تالیف کیا۔“

مولوی فرزند حسین سیتا پوری کتاب ہذا کے اشتہار میں لکھتے ہیں۔

”ہم اس کتاب (جواہر البیان) کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص اس کی شرف خریداری سے مشرف ہو کر بنظر تامل دیکھے گا بے اختیار کہہ اٹھے گا جہاد سے چند دادم جان خریدم

بھم اللہ بس ارزاں خریدم“

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر فصل کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔ مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

- ۱۔ ابتدائیہ : حمد باری تعالیٰ میں
- ۲۔ مقدمہ : عبادت کے بیان میں
- ۳۔ باب اول : ”نماز کے بیان میں“ اس میں مندرجہ ذیل چار فصلیں ہیں۔
 - فصل اول : فضائل و فوائد
 - فصل دوم : شروط نماز
 - فصل سوم : صفت نماز
 - فصل چہارم : امور متفرقہ
- ۴۔ باب دوم : ”روزہ کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل دو فصلیں ہیں۔
 - فصل اول : بیان شب قدر
 - فصل دوم : ماہ رمضان کے فضائل
- ۵۔ باب سوم : ”زکوٰۃ کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل تین فصلیں ہیں۔
 - فصل اول : زکوٰۃ کی روح سات باتوں میں
 - فصل دوم : زکوٰۃ لینے والے کے لئے بھی سات شرطیں
 - فصل سوم : صدقہ کی خوبیاں
- ۶۔ باب چہارم : ”حج کے بیان میں“ اس باب میں مندرجہ ذیل پانچ فصلیں ہیں۔
 - فصل اول : حج کی فرضیت کے بیان میں
 - فصل دوم : حج و عمرہ کے فضائل کے بیان میں
 - فصل سوم : آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں

فصل چہارم: ترتیب اعمال حج

فصل پنجم: اسرار حج کے بیان میں۔

باب پنجم: ”زیارت سراپا طہارت مدینہ طیبہ کے بیان میں“ اس میں مندرجہ

ذیل دو فصلیں ہیں

فصل اول: زیارت نبوی کے بیان میں

فصل دوم: آداب زیارت روضہ مبارک

کتاب کے مقدمہ سے قبل ابتدائیہ ہے جس میں مولانا نقی علی خاں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اس شان اور جوش عہدیت کے ساتھ کی ہے کہ اسے پڑھ کر قاری کی روح وجد میں آجاتی ہے اور ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ کی چند سطر میں ملاحظہ ہوں۔

”نسیم کس کی تلاش میں کو بکودواں ہے اور دریا کس کی طلب

میں بے سرو پا رواں، پھول نے کس کے شوق میں گر بیاں

چاک کیا اور بلبل نے کس کی یاد میں آہ درد ناک۔ ایک

عالم اس کے شوق و محبت میں مشغوف ہے اور زمین و آسمان

اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تسبیح و تمہید میں مصروف“۔

ابتدائیہ کے بعد عبادت کے بیان میں مقدمہ ہے۔ اس میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام، تابعین کرام اور بزرگان دین کی عبادت الہی سے محبت اور طریقہ عبادت کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے مسلمانوں کو عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے اور تاکید کی ہے کہ عبادت الہی تحصیل نجات و مغفرت کی غرض سے نہیں بلکہ با تقاضائے بندگی کرنا چاہئے۔ مولانا نقی علی خاں نے عبادت الہی کرنے والے بندوں کے لئے پچاس فوائد بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کئے ہیں

خدا کے نزدیک کوئی عبادت نماز سے زیادہ پیاری نہیں اسی لیے تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے مولانا نقی علی خاں نے کتاب کے اول باب کی پہلی فصل میں نماز کے فضائل و فوائد انتہائی جوش و عقیدت کے ساتھ بیان کئے ہیں مولانا نے نماز کو دنیا و عقبیٰ دونوں میں سرفرازی و سر بلندی کی خوشخبری سنائی ہے اور بے نمازی کو دنیا و عاقبت دونوں میں ضلالت و دوزخ کا خوف دلایا ہے اور بے نمازی کے بارے میں ائمہ اربعہ کے جواہر کلمات ہیں انہیں تحریر کر کے مسلمانوں میں وحشی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

اس باب کی دوسری فصل نماز کے شروط کے بارے میں ہے مولانا نے نماز کی پانچ شرطیں بہت تفصیل سے بیان کی ہیں اور ہر شرط کو احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام کے اقوال سے مزین کیا ہے۔ ان پانچوں شرائط کا خلاصہ اس طرح ہے۔

شرط اول طہارت:۔ مولانا نے طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ اول طہارت ظاہری یعنی جسم، جامد اور مکان کی طہارت۔ دوم طہارت باطنی

شرط دوم ستر عورت:۔ یعنی جزو خاص بدن چھپانا اور اہل طریقت کے نزدیک اس کے ساتھ فحاش باطنیہ کا اخفا شرط ہے لیکن عالم الغیوب سے اس کا چھپانا ممکن نہیں ہے۔

شرط سوم نیت:۔ نماز کا ارادہ خالصتاً اللہ سے ہونا چاہئے۔ غیر کی طرف نظر نہ کرے یعنی نیت میں خلوص کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

شرط چہارم وقت:۔ پروردگار نے یہ عمدہ عبادت (نماز) اوقات معینہ میں فرض کی اور آٹھ پہر میں مختصر وقت اس کام کے لیے مقرر فرمایا تاکہ حصول معاش اور دنیا کے کاروبار میں حرج نہ ہو اور ادائیگی نماز میں کراہت محسوس نہ کرے۔

شرط پنجم استقبال قبلہ:۔ ادائیگی نماز میں استقبال قبلہ لازمی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا اس طرح رقمطراز ہیں۔

”نماز مقام مناجات و راز ہے اور اس امر کے لیے استقبال ضرور لیکن حقیقت توجہ اس جگہ متصور نہیں کہ وہ ذات پاک جہت مقابلہ سے منزہ ہے بلکہ خاک افتادہ اپنے چیز سے عروج نہیں کرتی اس درگاہ تک رسائی پھر کہاں، ناچار کعبہ کی طرف جسے جناب الہی نے تشریف اہنا گھر فرمایا، متوجہ ہوتی ہے البتہ روح انسانی عالم امر سے ہے وہ اس عالم کی طرف توجہ کر سکتی ہے پس قبلہ جسم خاکی کا اور روح انسانی کا رب کعبہ ہے۔“ ۱

تیسری فصل صفت نماز سے متعلق ہے صفت نماز کے بارے میں مولانا کہتے ہیں:

”جو مسلمان بر عایت شرائط و ارکان و واجبات و سنن و مستحبات اس ترتیب و صفت کے ساتھ کہ مشہور اور کتب فقہیہ میں مذکور ہے بنظر تعمیل حکم الہی عزمہ نماز پڑھے۔ شرع شریف میں نماز اس کی صحیح ہے مگر کمال اس کا یہ ہے کہ حقیقت ارکان شرائط و واجبات و آداب کی بجائے اور ادا کے وقت ان کے اسرار پر نظر رکھے۔ مثلاً روح و حقیقت طہارت یہ ہے کہ جس طرح بندہ نجاست حقیقی و حکمی سے ظاہر کو پاک کرتا ہے اسی طرح علائن دنیوی و خیابست مادی سے باطن کو صاف کرے کہ منظر بادشاہ حقیقی علام النبوی کا باطن ہے۔“ ۲

مولانا نقی علی خاں کی مذکورہ بالا واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر مسلمانوں کے ضمیر کو

”منجھوڑ رہی ہے وہ انکی صحیح رہبری بھی کر رہی ہے ساتھ ہی مولانا نقی علی خاں کی تبحر علمی کی عمدہ مثال ہے۔ آگے چل کر مولانا نقی علی خاں نے نماز اور نمازی سے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا ذکر بڑے عالمانہ انداز میں کیا ہے۔ اسی باب کی چوتھی فصل ”امور متفرقہ“ میں مولانا نے پانچ اوقات کی نمازوں کی فرضیت، ہر نماز کی اہمیت، وضو کی حکمتیں، دعا، نماز باجماعت وغیرہ موضوعات بڑے استدلال کے ساتھ بیان کئے ہیں جس سے مولانا کی زبردست وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں تصوف سے متعلق اصطلاحوں کی تشریح و توضیح بھی کی ہے مولانا نے وضو کے ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:-

”وضو میں ہاتھ دھونا دنیا سے ہاتھ دھونے اور کلی لذت طعام و شراب اور ناک میں پانی ڈالنا لذت مشومات سے دست برداری اور منہ دھونا توجہ الی الغیر اور پاؤں دھونا غیر کی طرف جانے کو ترک کرنے اور مسح سر ترکیہ خیال کی طرف اشارہ ہے اور دستور ہے کہ جب آدمی بادشاہ کے حضور جانا چاہتا ہے منہ ہاتھ پاؤں دھوتا ہے نہ مقعد اور تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کا اعضاء کا دھونا دفع نوم و تفریح قلب میں اثر تمام رکھتا ہے۔“ ۱

دوسرا باب روزہ کے بیان میں ہے اس میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے روزہ کی تاریخ روزہ کی دینی و دنیوی فوائد و جسمانی و روحانی فوائد بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ روزہ کی شرطیں، روزہ رکھنے کی تاکید، روزہ کے مسائل، روزہ دار کی غیر روزہ دار پر فضیلت، ماہ رمضان کی رحمتیں اور برکتیں وغیرہ بڑے پراثر اور دلپذیر انداز میں مثالوں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی ہیں۔

مولانا نے روزہ کی چھ شرطیں بیان کیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

شرط اول : آنکھ کو اس چیز سے کہ خدا سے غافل کر دے خصوصاً باعث انتشار شہوت ہو محفوظ رکھے۔

شرط دوم : زبان کو بیہودہ بکتنے سے روکے اور ہر بے فائدہ بات سے مانند مجادلہ وغیرہ سے باز رہے۔

شرط سوم : کان کو ناشنیدنی سے دور رکھے جس کا کہنا گناہ ہے اس کا سننا بھی برا ہے جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ۔

شرط چہارم : ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کو ناکردنی سے جدا رکھے اور کسی کو ایذا نہ دے کسی بے موقع جگہ نہ جائے جو شخص روزہ رکھے اور بد کام کرے اس کی مثال ایسی ہے کہ میوہ سے پرہیز کرے اور زہر کھائے۔

شرط پنجم : وقت افطار حرام و مشتبہ سے افطار نہ کرے اور حلال خالص بھی بہت نہ کھائے کہ جو رات کو گرنگی روز کا تذکرہ کر لے مقصود اصلی کہ کس قوت شہوت و غضب کا ہے قوت ہو اور قوت اس کی کم نہ ہو بلکہ ایک رات میں دو بار شکم سیر ہو کر کھانا قوت کو زیادہ کرتا ہے۔

شرط ششم : افطار کے وقت دل اس کا تیم و امید میں معلق نہ ہو کہ قبول ہوا یا نہیں۔ حقیقت روزہ کی یہ ہے کہ انسان ملائکہ کی مانند ہو جائے اور صفت بیکسی سے کہ سوائے کھانے اور جماع کے کسی چیز سے واقف نہیں دور ہو اور یہ مشابہت جب کامل ہو کہ مثل ملائکہ ہمہ تن تعمیل حکم الہی میں مصروف ہو جائے۔

تیسرا باب زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ اس باب میں تین فصلیں ہیں۔ باب کی ابتدا میں مولانا نے زکوٰۃ کی تعریف بیان کی ہے اور زکوٰۃ کی فضیلت یہ بتائی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا نجات بھل سے

نجات پاتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے۔ مولانا علی خاں نے قارون کی مثال دیکر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو عبرتناک عذاب سے باخبر کیا ہے۔ مولانا نے زکوٰۃ کے بارے میں فقہ اور اہل تصوف دونوں کے احکامات تحریر کئے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں۔

”کسی فقہ نے نبلی رحمت اللہ علیہ سے پوچھا زکوٰۃ کس قدر ہے؟

فرمایا مذہب فقہ میں دو سو درہم سے پانچ درم اور ہمارے

مذہب میں دو سو میں سے ایک بھی رکھنا جائز نہیں۔

اس کی راہ میں سب خرچ کرنا اور اس کے شکر میں سر بھی دینا

چاہئے۔ فقہ نے کہا مذہب ہمارا ائمہ دین سے ثابت۔

آپ نے فرمایا ہمارا مذہب سید الصدیقین حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت۔ جو رکھتے راہ خدا میں

صرف کیا اور کوئی دقیقہ جاں بازی و جاں ثاری کا اٹھانہ رکھا

ایک جان باقی تھی وہ شب غار قربان کی۔“ ۱۔

اس طرح مولانا نے کئی واقعات اور مثالوں کے ذریعہ اہل تصوف کی راہ کو اہل فقہ کے رائے پر فوقیت دی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مولانا علی خاں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی موقع پر مولانا نے زکوٰۃ دینے کے چھ فائدے بیان کئے ہیں ابتداً یہ کے بعد اس باب کی پہلی فصل شروع ہوتی ہے جس میں مولانا نے دل نشیں انداز میں واضح کیا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کن لوگوں کو اور کس طرح زکوٰۃ دے کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد بھی پورا ہو اور زکوٰۃ دینے والا اجر و ثواب کا بھی مستحق ہو۔ چنانچہ مولانا نے اس فصل میں زکوٰۃ کے بارے میں سات باتیں بتائی ہیں۔

اول زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے ادا کرے۔ جو چیراچانک حاصل ہوتی ہے اس سے فقیروں کو خوشی

حاصل ہوتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ دوم اکٹھا دینا ہو تو محرم یا رمضان میں دیدے۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ ہوتا ماہ رمضان میں خدا کی راہ میں صرف کرتے۔ تیسرے۔ زکوٰۃ پوشیدہ دینا چاہئے کہ ریائے محفوظ رہے۔ چوتھے محتاج کو ایذا نہ دے نہ تیوری چڑھائے اور نہ سخت بات کہے اور بسبب محتاجی کے حقیر نہ سمجھے پانچواں اس پر احسان نہ رکھے کہ ان باتوں سے ثواب باطل ہوتا ہے۔ چھٹے جو مال بہتر نفیس حلالی ہو راہ خدا میں صرف کرے۔ حق تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے۔ ساتویں زکوٰۃ ان پانچ لوگوں کو دے (الف) پارسا دہشتی کو (ب) طالب علم کو (ج) وہ فقیر جو اپنی محتاجی چھپاتا ہے اور تو نگروں کی سی حالت بنائے رکھتا ہے (د) عیال دار اور بیمار جسے رنج و فکر زیادہ ہے (ح) رشتہ دار کو کہ ثواب صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ہاتھ آئے۔ جس میں یہ پانچوں یا ان میں سے اکثر جمع ہوں اسے دینا اور بھی اولیٰ۔

اس باب کی دوسری فصل میں زکوٰۃ لینے والوں کے لیے بھی مولانا نے سات شرائط کا ذکر کیا ہے شرط اول: خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت جس کے حال پر زیادہ ہوتی ہے اسے مال تو نگری کی آفت سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ سمجھے کہ تو نگروں کو میری آسائش کے لیے مائل کیا ہے۔ دوم: تو نگروں کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا واسطہ و ذریعہ بنایا اس لیے اس کے حق میں دعا کرے۔ سوم: صدقہ لے کر پوشیدہ رکھے اور اسے تھوڑا حقیر نہ جانے جیسے دینے والے کو چاہئے کہ بہت دے اور تھوڑا سمجھے۔ چہارم: جو شخص مال ظلم یا مال ریاء سے دے ہرگز نہ لے کہ سوا خبث کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پنجم: بے حاجت نہ لے اور سوال نہ کرے کہ حرام ہے۔ ششم: حاجت سے زیادہ نہ لے کہ اور محتاج کے کام آئے۔ ہفتم: جس قدر دیا جائے بطیب خاطر قبول کرے زیادہ پراصرار سے برکت نہیں رہتی۔

مولانا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی تصدیق احادیث مبارکہ اور قرآن مقدس سے بھی کرتے ہیں مذکورہ بالا شرائط کی تصدیقات میں بھی آپ نے متعدد احادیث مبارکہ نقل کی ہیں تیسری فصل میں مولانا نے صدقہ کی خوبیاں اور فوائد و اہمیت بیان کئے ہیں۔ مولانا صدقہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ دو اگرچہ ایک ہی چھوڑا ہو وہ بھوکے کی حاجت رفع کرتا ہے اور گناہ کو بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو اور فرماتے ہیں آدھا ہی چھوڑا دے کر آتش دوزخ سے بچو اور جو اس قدر بھی میسر نہ ہو تو فقیر کا دل اچھی باتوں سے خوش کرو۔“ ۱۔

مندرجہ بالا حدیث شریف میں وارد ”ایک چھوڑا اور آدھے چھوڑا صدقہ“ کی بھی وضاحت مولانا نے کی ہے مولانا لکھتے ہیں۔

اس قسم کی حدیثوں سے بعض بخیل سمجھتے ہیں ہمیں زیادہ مال خرچ کرنا کیا ضروری آدھا چھوڑا آتش دوزخ سے بچا لیتا ہے ہم دس بیس خرچ کئے دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے شیطان لعین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے خیرات کرے۔ اگر ہزار دو ہزار درم کی قید ہوتی اکثر لوگ دولت صدقہ سے محروم رہتے۔“ ۲۔

مولانا نے ان دولتمندوں کی بھی خبر لی ہے جن کے پاس بے تحاشہ دولت ہے مگر صدقہ میں کبھی کرتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی ہے کہ حاجت ضروری پر صدقہ کو فوقیت نہ دی جائے۔

اس کتاب کا چوتھا باب حج کے بارے میں ہے یہ باب گزشتہ تین ابواب میں سب سے زیادہ مفصل اور طویل ہے کتاب کا نصف سے زیادہ حصہ اسی باب پر مشتمل ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے قاری جہاں حج سے متعلق بہت سی ضروری معلومات حاصل کرتا ہے وہیں دوسرے مسائل ضروریہ سے بھی واقف ہو جاتا ہے مثلاً اسکی مذمت جس سے کوئی مسلمان اپنا قصور بخشوائے اور وہ نہ بخشے۔ سفر کس دن بہتر ہے، شہر دیکھ کر کوئی دعا پڑھے، علماء کا ادب، مسافر کی دعا کی خوبی، ڈوبنے سے امان کی دعا،

مسلمانوں کو خوش کرنے کی فضیلت، عرفہ کے دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، دعا کے آداب، زیارت مدینہ طیبہ وغیرہ موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں حج کی فضیلت بیان کی ہے اور اس بات پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ دولتمند مسلمان اپنی دولت مانعہ گمانے، زنا، شراب، دودھ، دیگر اسراف بچا پر پانی کی طرح بہانا اپنی شان سمجھتے ہیں اور مذہبی احکامات و فرائض کو پورا کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کا خیال ہے:-

”حقیقت یہ ہے کہ اہل ہند کے دل میں زکوٰۃ اور حج کی فرضیت پر یقین کامل نہیں اسی واسطے اکثر ارادہ نہیں کرتے اور جو لوگ جان سے تنگ ہو جاتے ہیں اور دنیا کی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں ناچار اس سفر کو اختیار کرتے ہیں اور جو نیت ان کی فاسد اور شوق ان کا ناقص ہوتا ہے اس راہ کی کیفیت و لذت انہیں حاصل نہیں ہوتی اور جو لوگ بطیب خاطر و رغبت قلب براہ محبت ارادہ کرتے ہیں انہیں وہ لطف و مزہ اس راہ میں ملتا ہے کہ

بیان میں نہیں آتا۔“ ۱

اس باب کی دوسری فصل حج و عمرہ کے فضائل اور تارکین حج کی مذمت کے بیان میں ہے۔ مولانا علی علی خاں نے اس فصل میں حج کی فضیلت اور اسکی رحمت و برکت کے بیان میں چھ بہتر احادیث مبارکہ نقل کی ہیں اور چار حکایتیں درج کی ہیں۔

تیسری فصل آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نے حج کا قصد کرنے سے لیکر حج سے واپسی تک ساتھ ضروری باتوں کا ذکر کیا ہے۔ قبول حج کے لیے ہر زائر حرم کا ن کو جاننا اور عمل کرنا انتہائی لازمی ہے۔ اس فصل میں مولانا نے جو نکات بیان کئے ہیں ان سے مولانا کی

فقیہانہ اور محققانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چوتھی فصل ترتیب اعمال حج کے بیان کے بارے میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے طریقے اور ان کی دعائیں تحریر کی ہیں اور ساتھ ہی ایک واضح نقشہ بھی پیش کیا ہے جس سے زائرین حرم کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر مقام کا میل اور فاصلہ بھی تحریر کیا ہے کہ کونسا مقام کتنے فاصلہ پر واقع ہے۔ ارکان حج کے علاوہ کس موقع پر اور کس وقت کیا کرنا چاہئے اس کا ذکر بھی مولانا نے بہت تفصیل سے کیا ہے جس سے مولانا کی وسعت علمی، مطالعہ کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانچویں فصل ’اسرار حج‘ کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا علی علی خاں نے دیگر امتوں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے اس پر اللہ کی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے اور حج بیت اللہ کی عزیمت و حرمت بیان کی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ مال حرام سے حج نہ کیا جائے۔ ایسا حج منہ پر مار دیا جائے گا۔ اس فصل میں مولانا نے بھی تاکید کی ہے کہ حج کرنے کے بعد مسلمان کو چاہئے کہ وہ باقی زندگی اطاعت الہی میں بسر کرے اور یہی عمل قبولیت حج کا مظہر ہوگا۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:-

”بعد تمام حج کے ہمیشہ طاعت الہی و اجتناب مناجی میں سرگرم رہو کہ دلیل قبول حج ہے۔ حیف جو نگاہ خدا کے گھر پر پڑے اب کسی حرام قصد سے اٹھے۔ جن ہاتھوں نے غلاف کعبہ چھوا موقف عرفات میں خدا کی طرف بلند ہوئے، اب ان سے امر نا شروع صادر ہوا جو لب تلبیہ و بوسہ حجر سے مشرف ہوئے اب ان سے سخن نا بآست نکلے جو پاؤں راہ خدا میں چلے اب ان سے کار نا شائستہ کی طرف چائے۔ جو بدن مجمع اقطاب و

اہل دل و مجلس ذکر و دلجلاں میں حاضر رہا اب محفل لب و لعب و
مجمع فساق و فجار میں شریک ہو۔“ ۱

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو روحانیت
کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوا اور مقام قرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو۔

چوتھے باب کے بعد کتاب کا خاتمہ ہے جو مدینہ طیبہ کی زیارت سے متعلق ہے اس میں دو
فصلیں ہیں۔ یہ کتاب ارکان اسلام سے متعلق ہے لیکن اس میں دیگر موضوعات پر بحث کیوں کی گئی ہے
اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے

”ہر چند موضوع اس کا ارکان اربعہ ہیں اور یہ بحث

ان سے جدا مگر یہ ذکر اس کا ہے جس کی یاد الہی سے

مفارق نہیں یہاں وہ نام پاک ورد زباں ہو گا جو

آرام جاں ہے اور زیور ایمان جس کے بغیر مسلمانوں

کو کبھی تسکین ممکن نہیں۔“ ۲

اس خاتمہ کی فصل اول میں مولانا نے زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے والے مسلمانوں
کے درجات کی بلندی اور شفاعت کی یقین دہانی میں اٹھارہ احادیث مبارکہ پیش کی ہیں اور سرکار رسالت
ﷺ سے اپنی عقیدت و محبت اور جاں نثاری کا والہانہ اظہار کیا ہے۔

دوسری فصل آداب زیارت نبوی ﷺ سے متعلق ہے۔ مولانا کی ذات والا صفات کو حضور نبی
کریم ﷺ سے زبردست عشق ہے اور احترام و اکرام ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔
مولانا نے حرم پاک کی زیارت کیلئے کس طرح اپنی بے قراری کا والہانہ اظہار کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے
والے دیوانہ وار دربار رسول کی تمنا کی ختم ریزی اپنے دل و دماغ میں کرنے لگتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

”جب حرم مدینہ طیبہ زلزلہ اللہ عرفا و طیبہ کے قریب

پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور
آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان
پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے ذوق و شوق
میں ڈوب جائے دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی
خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے
اور کہے او بے وقت سونے والے اجاگ اور ہوشیار
ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔“ ۱

کتاب کے خاتمہ کے بعد صاحب تصنیف مولانا علی علی خاں رحمہ اللہ کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت
مجدد امام احمد رضا رحمہ اللہ کی تقریظ ہے جس میں امام احمد رضا نے اپنے والد ماجد کے مختصر حالات زندگی اور
انکی تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔

بہر حال یہ کتاب ”جواہر البیان فی اسرار الارکان“ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب
ہے۔ اس میں روزہ، نماز، زکوٰۃ، خیرات، وضو، غسل اور دیگر مسائل ضروریہ بڑی تشریح کے ساتھ بحث
میں لائے گئے ہیں اور بہت سے مسائل اس تحقیق کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ان کا یکجا ملنا مشکل
ہے۔ مولانا نے ہر مسئلہ میں ایسے نکات پیش کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ہر موضوع پر احادیث
کریمہ سے استدلال اس وسیع پیمانے پر کیا ہے گویا تمام احادیث آپ کے پیش نظر ہیں۔ مولانا علی علی خاں
نے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ کوئی گوشہ اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ساتھ ہی مولانا کا
تمام کلیات و جزیات پر عبور تامہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے اسلوب نگارش کا تعلق ہے تو زبان میں سلاست اور بیان میں
فصاحت کی شیرینی ہے۔ اس فصاحت و بلاغت نے زبان کو پراثر بنا دیا ہے۔ منقہی اور مسجع عبارت عصری
تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

مولانا کے اسلوب نگارش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے جاہجا موقع اور محل کے لحاظ سے اردو فارسی کے اشعار بھی تحریر کئے ہیں جو بیان میں زور و اثر پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ کے اسلوب نگارش کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف چھوٹے جملوں سے بہت بڑا مفہوم واضح کر دیتے تھے۔ مولانا چھوٹے جملے لکھ کر بڑا مفہون ظاہر کرنے کے ماہر ہیں مولانا کے یہاں ادق اور ثقیل الفاظ کا استعمال بھی بکثرت پایا جاتا ہے جو کہ زبان و بیان اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔

نام کتاب :- اصول الرشاد لقمع مہانی الفساد
سن طبع :- ۱۲۹۸ھ مطابق 1881ء
مطبع :- صبح صادق پینٹاپور
صفحات :- ایک سو چار

مولوی اسماعیل دہلوی نے ۱۲۴۰ھ مطابق 1828ء میں ”تقویت الایمان“ شائع کی۔ علمائے کرام و مفتیان عظام کے مطابق اس کتاب میں ان تمام باتوں کو ناجائز، حرام، شرک و بدعت قرار دیا گیا جن پر دور صحابہ سے لیکر اس دور تک تمام اولیاء، اقطاب و اغواث، علماء، انما و مجتہدین متفق تھے۔ اس لیے اس کتاب کو لے کر اختلاف کی آگ پورے ملک میں پھیل گئی یہاں تک کہ مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کو بھی اپنے بھتیجے اور ”تقویت الایمان“ کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی سے برأت و بیزاری کا اعلان کرنا پڑا۔ اس کتاب ”تقویت الایمان“ کی رد میں عربی، فارسی و اردو میں بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولوی محمد موسیٰ، شاہ احمد سعید مجددی، مفتی صدر الدین آزرہ علامہ فضل حق خیر آبادی، شاہ عبدالمجید بدایونی، شاہ فضل رسول بدایونی جیسے اکابرین نے اپنی تحریر و تقریر سے ”تقویت الایمان“ کا پوری شد و مد کے ساتھ رد کیا۔ اس رد میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی ”تحقیق الفتویٰ“

فضل رسول بدایونی کی ”سیف الجبار“ اور مفتی علی علی خاں کی ”اصول الرشاد لقمع مہانی الفساد“ بہت مشہور ہوئیں۔ ”تقویت الایمان“ کی رد میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ”تقویت الایمان“ کا صرف جزوی رد کیا گیا تھا مکمل رد نہیں کیا گیا۔ مولانا علی علی خاں نے اپنی تصنیف ”اصول الرشاد“ میں ”تقویت الایمان“ کا مکمل رد کیا ہے اور کتاب کی ہر عبارت پر سخت گرفت کی اور منطقی عدم توازن کو دکھاتے ہوئے ناقص و ناتراشیدہ خیالات و افکار کا زبردست محاکمہ کیا۔ ساتھ ہی اسلامی موقف کو کتاب و سنت اور شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات کی روشنی میں احکام شرعیہ کی وضاحت کرتے ہوئے تقویت الایمان کا اصولی رد کیا ہے۔ مولانا علی علی خاں پہلے مفتی ہیں جنہوں نے تقویت الایمان کا اصولی رد کرتے ہوئے اسماعیل دہلوی کے باطل عقائد کی نشاندہی کی ہے۔ ”اصول الرشاد“ میں مندرجہ ذیل ہیں کلمات سے مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱ الفاظ شرعیہ سے اس کے معنی حقیقیہ مراد ہوتے ہیں اس کے چار فوائد کا بیان:

فائدہ اول : معنی الکی تحقیق
فائدہ ثانیہ : معنی عبادت کی تحقیق
فائدہ ثالثہ : معنی شرک کی تحقیق
فائدہ رابعہ : معنی بدعت کی تحقیق

قاعدہ نمبر ۲ چند افعال نیک کا مجموعہ بھی نیک ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

قاعدہ نمبر ۴ قرآن و حدیث کے عموم و اطلاق سے استدلال دور صحابہ سے عصر حاضر تک بلا تکرار مکرر رائج ہے۔

قاعدہ نمبر ۵ فعل قبیح کی مقارنت سے فعل حسن قبیح نہیں ہو جاتا۔

قاعدہ نمبر ۶ کفار و مبتدعین سے مشابہت کی ممانعت چند شرائط سے مشروط ہے

قاعدہ نمبر ۷ زمان و مکان کو کسی عظیم شے کی طرف نسبت کی بدولت شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸ اہل اسلام میں کسی بات کا رواج بلا تکثیر مگر اس فعل کے حسن و محمود ہونے کی دلیل ہے قول جمہور قول کل کی طرح حجت شرعی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹ دالۃ النص و غیر ہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰ حرمین شریفین میں بے انکار علما کسی بات کا رواج اس کی خوبی بردال ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱ اجماع سکونی حجت ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲ کسی مسئلہ میں اختلاف کے بعد اتفاق کر لینا اختلاف کے کا اعدام ہونے کی دلیل ہے بلکہ اب یہ مسئلہ اجماعی ہو جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۳ نیک کام کو شروع کر کے التزام کر لینا مستحسن ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم ہر طرح خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۵ حضور کا ادب و احترام حضور سید عالم ﷺ کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص نہ تھا

قاعدہ نمبر ۱۶ حضور ﷺ کے ذکر، نام اور کلام کی تعظیم بھی حضور کی تعظیم ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷ تعظیم کے لیے معظم کا پیش نظر اور محسوس ہونا ضروری نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۸ حضور ﷺ کی تعظیم طریقہ قدیم و جدید ہر طرح سے محمود ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۹ تعظیم و توہین میں عرف و عادات کا بڑا اعتبار ہے۔

مولانا تقی علی خاں نے مندرجہ بالا بیس قواعد قرآن و حدیث اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال و کتب سے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کئے ہیں۔

قاعدہ اول کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ الفاظ شرعیہ جن کی وضع خاص معنی کے لئے ہوئی وہ اپنے معنی حقیقی پر ہی بولے جائیں گے جب تک کوئی قرینہ معارفہ نہ ہو اور معنی حقیقی پر عمل ممکن

۱۔ کیونکہ معنی مجازی مستعار ہیں یہ اصل کے مزاحم نہیں ہو سکتے۔ نور الانوار اور مسلم الثبوت وغیرہ سے اس معنی کی تائید نقل فرمائی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے ثابت کیا ہے کہ شرک و بدعت، اللہ، عبادت کے معنی وہی مراد لئے جائیں جو حقیقی ہوں۔

پھر مصنف نے ان سب کے معنی بیان کر کے واضح کیا ہے کہ یہاں وہ معنی ہرگز نہیں جو التعلیل دہلوی اور ان کے ہم نوا علما نے مراد لئے ہیں۔ یہی حال معنی اللہ اور معنی عبادت کا ہے یعنی "اللہ" قادر مطلق مستحق العبادۃ کو کہتے ہیں اور عبادت غایت تعظیم و نہایت تدلل کا نام ہے۔ شرک یہ ہے کہ کسی کو واجب الوجود مان کر الوہیت میں شریک ٹھہرانا۔ بدعت کے معنی میں تو کلام کو غایت تحقیق تک پہنچا کر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کر دی ہے کہ بدعت کی تعریف و تقسیم سے اہل سنت کا موقف واضح ہے اور یہ کہ بدعت اصطلاح شریعت میں دو معنی پر بولا جاتا ہے۔

اول: جو کام حضور نے نہ کیا اور نہ اجازت دی۔

دوم: جو کام سنت کے مخالف و مزاحم ہو۔

معنی اول: کے ثبوت میں فاضل مصنف نے کثیر احادیث کریمہ سے استدلال کیا ہے اور یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بایں معنی اصولی طور پر بدعت کی دو قسمیں قرار دینا ضروری اور اشد ضروری ہے یعنی بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ پھر ان کے ثبوت میں علما کرام کے اقوال پیش کر کے تحقیق کے دریا بہا دیئے ہیں۔

قاعدہ دوم: کے تحت مولانا فرماتے ہیں فاتحہ، سوئم اور میلاد شریف وغیرہ میں کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سب مستحسن ہیں کہ زمانہ قدیم سے علما کرام تصریح فرماتے آئے کہ جب کسی مجموعہ کے اجزا علیحدہ علیحدہ ممنوع نہ ہوں تو مجموعہ کیوں منع ہوگا اور یہ امور ایسے ہیں کہ تلاوت قرآن، ذکر خدا و رسول اور درود و سلام وغیرہ جیسے امور خیر پر مشتمل۔ تو بلاشبہ یہ سب خیر و محبوب ہی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: کے تحت مولانا نے ایک عظیم مسئلہ بیان کیا ہے جو بارہا موضوع بحث بنا اور آج

بھی کثیر مسائل اس سے وابستہ ہیں۔ مولانا کے مطابق ”اشیا میں اصل اباحت“ ہے یعنی جس چیز کے فعل و ترک میں شرعاً کچھ حرج نہ پایا جائے اور اس کے حسن و قبح ہونے کی کوئی دلیل بھی قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس میں موجود نہ ہو تو وہ شرعاً مباح و جائز ہے۔ اسے اباحت اصلیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنی کی تائید میں مسلم الثبوت، فتاویٰ شامی، مختصر الاصول، شرح مشکوٰۃ، مسلم شریف، فتح القدیر، نووی شرح مسلم وغیرہ کتب کثیرہ سے حوالے پیش کر کے اس قاعدہ کو نہایت مضبوط کر دیا ہے۔

قاعدہ ۳: تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ قرآن و حدیث میں جو الفاظ عام اور مطلق وارد ہوئے ان سے استدلال کر کے کسی مسئلہ کو بیان کرنا اہل اسلام میں عہد صحابہ سے بلا تکلیف آج تک جاری ہے۔ کسی فرد خالص کے لیے دلیل طلب کرنا بیجا ہے کہ جس عموم و اطلاق کے تحت اس کا شمار ہے اسی سے حکم اس کا بھی ثابت ہے۔ دلیل میں اسی قدر کافی ہے کہ یہ امور خیر ہیں جسکے عام یا مطلق کی خوبی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ لہذا اس امر کی خوبی بھی اسی سے ثابت۔ ہاں جو منع کرے وہ خاص ان امور کی ممانعت قرآن و حدیث سے دکھا دے۔

اس قاعدہ کے تحت مصنف نے چھ مباحث ذکر کئے ہیں اور ہر بحث کے ضمن میں اس بات پر زور دیا ہے کہ عموم و اطلاق سے استدلال بہر حال ایک ثابت اور طے شدہ چیز ہے۔ مخالفین کے اعتراضات محض لغو و بیجا اور اوهام و خیالات بے سرو پا ہیں۔

قاعدہ ۵: اس قاعدہ کے تحت مولانا فرماتے ہیں کہ جو فعل فی نفسہ مستحسن ہو اور اس سے کسی فعل قبیح کی مقارنت و مجاورت بھی ہو تو اس قباح کی وجہ سے وہ فعل متروک نہیں ہو جاتا۔

اس اصول کے اثبات کے لیے مصنف نے کثیر علما کے اقوال پیش کئے ہیں اور ساتھ ہی اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے ہیں۔ کثیر جزیات سے اصول کی تائید فرما کر قاعدہ کو نہایت واضح کر دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۶: اس قاعدہ میں مشابہت کفار و مبتدعین کی معرکتہ الارابجث کی عقدہ کشائی ہے۔ مشیوں عبادات اور صدقات معاملات اہل اسلام و کفار مبتدعین باہم متشابہ یا متحد ہیں مگر بدوں قصد و نیت مشابہت بالاتفاق فریقین حرام و مکروہ نہیں ہو جاتے بلکہ کمتر فرائض و واجبات اسلام ایسی مشابہت و اتحاد سے پاک نظر آتے ہیں۔ پھر مثالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان بہت سے چیزوں میں مشارکت و مشابہت ہے۔

قاعدہ نمبر ۷: میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زمان و مکان کو بسا اوقات شرافت و بزرگی کسی معظم و عینی کے سبب حاصل ہوتی ہے اور ان مقامات و اوقات میں طاعت اور عبادت زیادتی ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ پھر اس کی مثالیں بیان کر کے اس قاعدہ کو خوب خوب واضح کر دیا ہے۔ حرمین شریفین میں عبادات پر اجر جزیل کی بشارت اس کا بین ثبوت ہے۔

قاعدہ نمبر ۸: اس قاعدہ کے تحت تعامل کی بحث اٹھائی گئی ہے جو ایک عظیم اصل شرعی ہے جس پر صد ہا جزیات فقہ اسلامی کی بنیاد ہے۔ اس قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے مصنف نے قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے اور کتب فقہ سے اسکی نظیریں پیش کی ہیں۔ اس قاعدے میں چند مباحث کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ تعامل کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: جمہور کا قول مثل قول کل حجت شرعی ہے اس کے ثبوت میں مصنف نے ایک آیت اور متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے نیز اقوال علما سے اس کی تائید بھی کی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰: اس قاعدہ میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ظاہر نص اور مفسر و غیر ہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام طور پر علما کرام بھی ان سے احتجاج کر سکتے ہیں اس امر کے ثبوت میں علامہ طحطاوی، علامہ شامی، ابن کمال، علامہ بھاری وغیرہ کے اقوال پیش کئے ہیں پھر مصنف نے اس قاعدہ پر چند اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور مخالفین کی خبر لی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱: حرمین شریفین کا تعامل کہ وہاں کے خواص و عام اور علما و ائمہ جس بات پر متفق

ہیں وہ حجت ہے۔ اس قاعدہ کے ثبوت میں امام شافعی اور امام ابو یوسف کے اقوال بطور سند پیش کے گئے ہیں۔ فضائل حرمین ایک مسلم چیز ہے اس کے ذریعہ بھی مولانا بریلوی نے اپنے دعوے کا ثبوت پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲: اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی نے ثابت کیا ہے کہ ایک جماعت کہ جس کا تعلق خواص اہل اسلام سے ہو وہ کسی چیز کا حکم صادر کریں یا کسی چیز پر عمل کو اپنا معمول بنالیں اور باقی دیگر خواص سکوت اختیار کریں تو یہ اجماع سکوتی ہے۔ اور احناف و جمہور علماء کے نزدیک حجت شرعی ہے ”نور الانوار“ وغیرہ سے اس کا ثبوت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۳: اس قاعدہ کے تحت مولانا بیان کرتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں پہلے اختلاف تھا بعد میں اتفاق ہو گیا تو اب وہ اختلاف کا عدم قرار دے دیا جاتا ہے اور مسئلہ اجماعی قرار دے دیا جاتا ہے ”مسلم الثبوت“ سے اس دعویٰ کو ثابت کر کے بتایا ہے کہ اکثر احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴: اس اصول کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی مستحب و مستحسن کام کو اگر واجب نہ جانے لیکن اس کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ کرتا رہے تو وہ منوع و مکروہ نہیں ہو جاتا۔ ہاں اسے فرض و واجب سمجھنا غلط ہے اور اس اعتقاد کو جو کاذب و زائل کرنا لازم ہے۔

بعض علمائے اگر ایسے افعال کے مکروہ بھی لکھا تو صرف اسی بنا پر کہ اس اعتقاد فاسد کا ازالہ مقصود ہے نہ کہ فی نفسہ اس فعل کو مکروہ قرار دینا۔

قاعدہ نمبر ۱۵، ۱۶: حضور سید عالم ﷺ کی تکریم و تعظیم کے سلسلہ میں اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح پسند و محبوب ہے اور نبی کتاب و سنت سے ثابت اور ایمان کی علامت ہے۔ اس اصول کی وضاحت میں مولانا بریلوی نے اپنے دعویٰ کو غایت نہایت تک پہنچایا ہے۔ پھر علماء کے اقوال مثلاً قاضی عیاض کی شفا سے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ تعظیم و توقیر حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک ہی محدود نہیں بلکہ وصال سے قبل و بعد دونوں حالتوں میں ضروری اور لازمی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷: حضور کی تعظیم و تکریم سے یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہو تو آپ کی تعظیم خشوع و خضوع و عاجزی و انکساری کے ساتھ بجالاویں۔ مختلف کتب علماء و مجتہدین کے حوالوں سے مولانا بریلوی نے کچھ بزرگوں کے خشوع و خضوع کا یہ عالم لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا نام پاک سنتے ہی ایسا محسوس ہوتا گویا بدن کا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔

امام مالک جب حضور ﷺ کا ذکر سنتے رنگ بدل جاتا اور حد درجہ خضوع سے جھک جاتے۔ کبھی کوئی حدیث بے وضو بیان نہ فرماتے غرض یہ کہ یہ بات خلفاء و سلفاء سے مسلم رہی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف جو چیزیں منسوب ہیں ان سب کی تعظیم حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ جو خداوند قدوس ﷻ کو نہایت پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸: اس قاعدہ کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ تعظیم کے لیے ضروری نہیں کہ معظم سامنے موجود ہو ورنہ عبادت کہ غایت تعظیم ہے اس میں بھی معبود کا عند الحواس موجود ہونا شرط قرار پاتا۔

بہت سی مثالوں کے ذریعہ اس قاعدہ کا اثبات کر کے فرماتے ہیں کہ معظم یعنی حضور سید عالم ﷺ کا تصور و خیال قلب میں جاگزیں کرے تاکہ لذت و سرور حاصل ہو۔

قاعدہ نمبر ۱۹: اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم و تکریم بغیر کسی تخصیص و بہیت کے فرض فرمائی ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی مولانا بریلوی نے متعدد احادیث اور علماء و مجتہدین کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۰: اس قاعدہ کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ تعظیم و توقیر کے بارے میں عرف و عادت کو نہایت اہمیت حاصل ہے مولانا فرماتے ہیں:-

عرب میں باپ اور بادشاہ سے ”کاف“ کے ساتھ جس کا ترجمہ ”تو“ ہے خطاب کرتے ہیں اور اس ملک میں یہ لفظ کسی معظم بلکہ ہمسرے سے بھی کہنا گستاخی

اور یہودگی سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہندی اپنے باپ یا بادشاہ خواہ کسی واجب التعمیم کو ”تو“ کہے گا تو شرعاً بھی گستاخ و بے ادب اور لغزیر و تنبیہ کا مستحق ٹھہریگا۔“

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے اس کتاب کے ذریعہ شکوک و شبہات کا انتہائی مدلل ازالہ کیا ہے اور مخالفین کو بھی دندان شکن جواب دیا ہے۔ غرضیکہ کے پوری کتاب حقائق و معارف کا گنجینہ اور علوم و فنون کا خزینہ ہے۔ جس سے کما حقہ استفادہ کتاب کا غائرانہ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کتاب کا اسلوب نگارش مولانا کی دیگر کتب کے مقابلہ میں انتہائی ادق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات آسان زبان میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

نام تصنیف	:	ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ
اشاعت اول	:	حسنی پریس بریلی سن 1926ء
اشاعت دوم	:	کتب خانہ سمٹانی اندر کوٹ میرٹھ
صفحات اشاعت ثانی	:	اڑتالیس (۳۸)

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ”ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ“ اصلاح معاشرہ کی غرض سے تصنیف کی۔ دراصل مولانا اپنے وقت کے زبردست عالم و مفتی تھے اپنی تبحر علمی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر اپنے ہم عصر علما میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ متقی، پرہیزگار اور پابند شرع تھے چنانچہ وہ مسلمانوں کی بے راہ روی اور گمراہی سے بڑے متفکر تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات اور شریعت مطہرہ سے سرمو انحراف نہ کریں بلکہ اپنی زندگی عین اسلامی ڈھانچہ میں ڈھال کر سچے مسلمان کی طرح مثالی زندگی بسر کریں۔

مولانا سماج پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کچھ نام نہاد مسلمان اسلام اور مسلمان کے نام پر دین کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، اپنے طرز عمل سے خود بھی گمراہ ہیں اور دیگر مسلمانوں کو بھی گمراہی اور لادینی کے راستہ پر لئے جا رہے ہیں اور معاشرہ کو بگاڑ رہے ہیں تو مولانا کی دینی حمیت برداشت نہ سکی اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے ”ہدایت البریہ“ تصنیف کی۔

مولانا نقی علی خاں پورے رویہ لکھنؤ میں پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے قلم اٹھایا اور اقوام کو راہ راست پر لانے کی سعی کی۔ اگرچہ اس دور میں ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اصلاح معاشرہ کی غرض سے ناول اور کہانیاں لکھیں لیکن مولانا نقی علی خاں نے ناول اور افسانہ کا سہارا لینے کے بجائے دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے، اسلام کا چہرہ مسخ کرنے والے عناصر پر براہ راست کاری ضرب لگائی اور ایسے لوگوں کے باطل عقائد کی نشاندہی کی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کے باطل عقائد کا رد کیا۔ مولانا نے اس کتاب میں ایسے لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کیا ہے جو عملاً اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے اسلام کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

مولانا نے فرقہ اول میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو اپنی ناقص عقل کو پیشوا بنا کر عقل کل بنے بیٹھے ہیں اور دینی معاملات میں قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ انسان کو اللہ کے معاملات میں مغل ہونے کے بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے اور اس کے حکم میں کسی قسم کا قیل و قال نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک فرمانبردار بندہ کی طرح اس کے حکم کی تعمیل میں سرنگوں رہنا چاہئے اور خلاف شریعت امور پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

”دانشمند ایسی باتوں میں جو شرع نے نہیں بتائیں
خوض نہیں کرتے انہیں اس حیثیت سے کہ مولانا کی باتیں
ہیں مانتے ہیں اگرچہ عقل ان کی حیثیت دریافت

نہ کرے۔ شیطان نے حکم الہی میں دخل دیا کہ آدمی خاک اور میں آگ سے پیدا ہوا مجھے اس کے سامنے ہٹکنا زیب نہیں دیتا اس حال کو پہنچا۔“

مولانا آگے کہتے ہیں:

”جس نے عقل کو مدار شرع ٹھہرایا کہ جس بات کو عقل اس کی نہ پہنچے شک اور تردد کو جگہ دے وہ بندہ عقل اور شیطان کا ساتھی ہے۔ توحید و رسالت کے دلائل دیکھے اور خدا و رسول پر کامل یقین رکھے اس وقت کوئی شک و تردد نہ رہے گا اور جو کچھ پیغمبر نے مالک حقیقی کی طرف سے پہنچایا ہے تردد و تشویش قبول کرے گا۔“ ۱

دوسرے فرقہ کے عقیدہ کو مولانا اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”استخراج احکام قرآن و حدیث سے سہل سمجھ کر اپنی عقل ناقص کو دخل دیتا ہے اور وزیر یا تدبیر کا کام ایک نااہل بازاری کے سپرد کرتا ہے ہر چند قرآن و حدیث دریائے ساحل ہے کہ طریقت و شریعت اسکی نہریں ہیں اور حقیقت و معرفت اس بحرِ خار کی لہریں۔ لیکن ہماری عقل کما بینگی اور اک نہیں کر سکتی۔“ ۲

دراصل قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ کے نکات کو سمجھنا علمائے دین کا منصب ہے ہر کس و

ناکس کے بس کی بات نہیں۔ عوام کا کام علما کی تقلید کرنا ہے نہ کہ اپنی محدود عقل سے نکات کو سمجھنا۔ اگر قرآن و حدیث کے رموز و نکات ہر فرد کی سمجھ میں آجائے تو پھر علم تفسیر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لہذا عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ عقلی خیالی گھوڑے دوڑانے کی بجائے ائمہ اور مجتہدین کی تقلید کریں اسی میں ان کی نجات ہے۔ جاہلوں اور کم عقلوں کے بہکاوے میں آکر اپنی دنیا اور عاقبت برباد نہ کریں۔ مولانا علی علی خاں علیہ السلام نے ایسے خود ساختہ جاہل مجتہدین کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو قوم کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

”ملک ہند میں ضعف اسلام دیکھ کر مجتہدین بن بیٹھے اصل یہ کہ شیطان نے انہیں دام کبر و نخوت و غرور پنداشت میں پھانسا ہے کہ بایں قلت بضاعت ائمہ دین کی ہمسری کا دعویٰ کیا ہے۔ طحاوی نے نقل کیا ہے کہ خارج مذاہب اربع سے اس زمانہ میں بدعتی اور دوزخی ہے غضب تو یہ ہے کہ بعض عوام کا لاناعام بھی مدعی اجتہاد ہیں۔ قرآن مجید اور مشکوٰۃ یا مشارق کا اردو ترجمہ دیکھ کر ابو حنیفہ اور شافعی بن بیٹھے۔ ائمہ مجتہدین پر صدا اعتراض کرتے ہیں اور مذہب اربعہ کو چوراہا کہتے ہیں۔“ ۱

تیسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جو خفیت کے دعوے دار تو ہیں مگر جب وہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ اپنی منشا و مرضی کے خلاف پاتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کے مسئلہ کے منکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مولانا مستندہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”یہ سادہ لوح اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ مجتہد کیلئے کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے گو عوام کے ہاتھ نہ آوے کہ وہ مظہر احکام ہے نہ شارع۔ پھر اگر قول مجتہد باوی النظر میں کسی دلیل تاریخ یا راجح ان کی متمسک سے مجتہد کے پاس نہیں۔ بایں ہمہ تصحیف قول مجتہد سراسر خطا ہے۔“

مولانا نے چوتھے فرقہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جنہیں جس مذہب کی بات اچھی لگتی ہے اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کا عقیدہ چوں چوں کا مربہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگ خود کو بڑا قابل اور دانشمند سمجھتے ہیں مگر حقیقتاً وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

”مدار عقائد و اعمال کا دس پانچ آیتیں یا اردو فارسی کی دو چار کتابیں دیکھنے پر نہیں بہت کچھ درکار ہے۔ نادانوں نے شرع کو کھیل ٹھہرایا ہے اور اپنی رائے کا تابع سمجھا ہے۔“

لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

مولانا علی علی خاں نے پانچویں فرقہ میں ان لوگوں کی نشاندہی کی ہے جو فلسفہ منطوق و ریاضی وغیرہ کی دو چار کتابیں پڑھ کر خود کو عالم دین ظاہر کرتے ہیں اور شریعت مظہرہ میں دخل اندازی کرنے لگتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے لوگوں کو مسائل بتانے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ خود تو بے دین ہو ہی جاتے ہیں ان کے پسندے میں جو بھٹس جاتا ہے وہ بھی اپنا ایمان گنوا بیٹھتا ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ منطق و فلسفہ وغیرہ پر بھروسہ کرنے سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور شریعت و طریقت کا علم حاصل کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

”ان فنون میں حد سے زیادہ غوص دل کو تاریک اور ایمان کو کمزور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ارتکاب

منہیات میں بے پاک ہوتے ہیں اور امر شرعیہ سے کام نہیں رکھتے اور علوم شریعت و طریقت سے قلب کو روشنی اور ظلمات جسمانیہ اور کدورت نفسانیہ سے صفائی حاصل ہوتی ہے کہ علمائے دین فلسفہ کو بھی ادنیٰ توجہ و التفات سے سمجھ لیتے ہیں۔“

چھٹے فرقہ میں مولانا علی علی خاں نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو خود کو صوفی اہل طریقت گردانتے ہیں اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو طریقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھنگ پینے، تزنگ اڑانے، چوٹی رکھنے، وارسی منڈانے، مزامیر سننے اور طوائفوں کا ناچ دیکھنے کو سلوک کی باتیں سمجھتے ہیں اور عبادت کو بیکار سمجھتے ہیں۔ مولانا علی علی خاں کے مطابق یہ سب دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے شریعت کی اتباع کے بغیر طریقت ہاتھ نہیں آسکتی چنانچہ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

”اے احق اس عقیدہ فاسدہ سے باز آ! ورنہ عذاب دوزخ کے لیے آمادہ ہو۔ عبادت کو بیکار سمجھنا کفر اور کافر قطعاً بہشت سے محروم اور مظلومی التار ہے کوئی عاقل ایسی چیز جس کے ترک میں ضرر ہے اور فعل میں نفع ترک نہیں کرتا اگر تارک بحکم ازل بہشت میں جاویگا ثواب عابدین سے محروم رہے گا اور ندامت و حسرت میں مبتلا رہے گا اور عامل اگر دوزخ میں پڑے گا عبادت سے عذاب اس کا ہلکا ہو جاویگا۔ کیا اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ انسان سے بے شغل نہیں رہا جاتا اور عبادت سے بہتر

مولانا کا قول ہے "نفس ابلیس سے زیادہ خطرناک ہے۔ ابلیس سامنے کا دشمن ہے انسان اس سے ہوشیار رہتا ہے اور آسانی سے دام فریب میں نہیں پھنستا لیکن نفس گھر کا بھیدی ہے ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے اور دھوکے میں ہلاک کرتا ہے۔"

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے گمراہ لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کر کے ان میں درائی برائیوں اور لغویات کی نشاندہی کی اور ان کے سد باب کے اسلامی طریقے بتا کر قوم کی اصلاح کی کوشش کی۔

مولانا نے غرور، گھمنڈ، چوری، بدگمانی، جھوٹ، امانت میں خیانت، غیبت، والدین کی نافرمانی، دنیاوی طمع، ملک گیری، ہوس پرستی، شراب خوری، بدکاری، بد اخلاقی، زنا کاری، بے عملی، بخیلی، بغض و کینہ، حسد وغیرہ برائیوں سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے اور اس ضمن میں قرآن شریف اور احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔ مولانا نے بڑے موثر اور پرزور انداز میں مسلمانوں کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی ہے۔ مولانا نے نیک لوگوں کو دنیا میں عزت و عظمت کی بشارت دی اور بدکاروں اور بے عملوں کو دنیا میں بے عزتی اور آخرت میں دوزخ کا خوف دلایا۔

دراصل جس زمانے میں مولانا نے "ہدایت البریہ" تصنیف کی وہ مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا، مسلم معاشرہ کی حالت گہرے چکی تھی، حکومت ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی، مسلمان احساس کمتری کا شکار تھا، مذہبی معاملات میں دلچسپی کم ہو رہی تھی ان کو اپنا تمدن ناپسند تھا، مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو رہے تھے اسکی ہر ادا اچھی لگتی تھی۔ مولانا نے مسلمانوں کے اس رجحان کو دیکھا تو مستقبل میں اس کے خراب نتائج ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس ماحول سے متاثر ہو کر مولانا نے "ہدایت البریہ" لکھی جو اس زمانے کی سچی تصویر ہے۔ یہ کتاب جتنی پونے دو سو سال قبل مفید تھی اس سے زیادہ آج کا رآمد ہے۔ یہ کتاب ہمیں دوسری قوموں کی اندھی تقلید اور ان کے خراب نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور اسلامی عقائد و اصول پر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے اب سے تقریباً

پونے دو سو سال قبل ان خطرات کو محسوس کیا ان کے سد باب کے لیے یہ کتاب لکھی جو مولانا کی دوراندیشی اور زبردست بصیرت کا ثبوت ہے۔

"ہدایت البریہ" کا اسلوب اس دور کے دستور کے مطابق دقیق ہے اس میں عربی و فارسی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اردو کے ادق الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مگر مولانا کا کمال یہ ہے کہ عبادت میں ایسی بے ساختگی اور گفتگو پائی جاتی ہے کہ عبارت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ مولانا نے جس مقصد کو "ہدایت البریہ" لکھی وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے آج بھی مشعل راہ ہے۔

نام کتاب :- از اقامۃ الاثام

مولانا نقی علی خاں کی یہ تصنیف باوجود انتہائی کوشش و جستجو کے دستیاب نہیں ہو سکی۔ دور حاضر میں یہ کتاب عنقا و نایاب ہے۔ دیگر کتب کی طرح اس کا قلمی نسخہ بھی استاد زمانہ کی نذر ہو گیا تاہم مذکورہ کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں کے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اپنی تصنیف "اقامۃ القیامہ" میں اس کتاب کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

دلائل متکاثرہ و حج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن و حدیث و اصول و قواعد شرع سے اس پر قائم ہیں۔ جنکی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل و تفسیح برطرز بدیع و بیج حضرت صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نام (العلما ربیب) (الکمل) مہدی و مولانا محمد مت والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی خراسانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

لڑکی نے سالہ مستطابہ اذاقۃ الاثام لمسانعی عمل
المولود والقیام میں ہمالا مزید علیہ بالان فرمائی ہے جسے
تحقیق بے عدیل و تدفیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہوا سے مراد وہ
دیکھیے کہ اس پاک رسالہ مائدہ فائدہ سے زلدیابا ہو۔

امام احمد رضا کی کتاب "اقامة القیامہ" کے مطالعہ اور مولانا علی خاں کی مذکورہ
تصنیف پر امام احمد رضا خاں کے تبصرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سرور کون و مکان ﷺ کی سیرت
مقدسہ سے متعلق ہے جس میں آپ نے ان لوگوں کا منہ بند کیا ہے جو حضور تاجدار کائنات ﷺ پر صلوة و
سلام پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں اور محفل میلاد وغیرہ کے قیام کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ امام احمد رضا کے
مذکورہ بالا تبصرے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا علی خاں نے اپنے عقائد و نظریات کے ثبوت میں دلائل
و براہین کے انبار لگا دیے ہیں جو آپ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ مولانا بغیر ٹھوس ثبوت اور مثالوں
کے کوئی بات نہیں کہتے۔

نام کتاب	: فضل العلم والعلماء
ناشر	: مجلس اشاعت طلباء فیض العلوم محمد آباد گوہرہ
سن طباعت	: ۱۳۰۳ھ / 1982ء
صفحات	: 54 (چون)

"فضل العلم و العلماء" مولانا علی خاں بریلوی کی تعلیم و تعلم کی اہمیت و حقیقت و عالم
و علم کی فضیلت سے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے۔ مولانا علی خاں نے انگریزی تعلیم کے مضر
اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ کتاب تصنیف کی۔ اگرچہ "فضل العلم و
العلماء" مولانا کی علیحدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ آپ کی عالمانہ و فاضلانہ تصنیف "الکلام الاوضح فی

تفسیر سورہ الم نشرح" کا ایک تہہ ہے۔ یہ پورا رسالہ مذکورہ تصنیف میں شامل اشاعت ہو چکا
ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا کی خواہش کے مطابق اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا
مولانا علی خاں علیہ السلام نے قرآن مقدس احادیث مبارکہ صحابہ کرام و انبیاء کرام کے اقوال کی
روشنی میں علم و علما کی فضیلت و اہمیت ثابت کی ہے اور جہل کی برائیوں اور اثرات سے آگاہ کیا ہے۔

مولانا نے علم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں کچھ اس طرح ہیں:-

علم کی فضیلتیں

- ◆ علم آدمی کے دل کو اس قدر فراغ اور کشادہ کرتا ہے کہ وہ (دل) زمین و آسمان سے زیادہ وسیع
ہو جاتا ہے۔
- ◆ علم ایمان کی طرح ہلندی مراتب کا سبب ہے۔
- ◆ قلیل العلم کثیر العبادت سے یا تھوڑا علم بہت عبادت سے بہتر ہے۔
- ◆ جو شخص طلب علم میں مرجائے گا خدا سے ملے گا اور پیغمبروں میں درجہ نبوت کے سوا کوئی درجہ نہ
ہوگا۔
- ◆ جو شخص ایک باب علم کا اوروں کو سکھانے کے لیے سکھائے اس کو ستر صدیقوں کا اجر دیا جائے گا۔
- ◆ جو شخص طلب علم میں سفر کرے فرشتے اپنے بازوؤں سے اس پر سایہ کرتے ہیں اور مچھلیاں
اور زمین و آسمان اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔
- ◆ علم ہدایہ کا راہ و قطب دین ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے علم و عبادت کے واسطے ہے۔
- ◆ طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
- ◆ علم موجب حیات بلکہ عین حیات ہے۔
- ◆ شیطان علم کو سب صفات سے زیادہ دشمن جانتا ہے اور اسی لیے انسان کو مختلف طریقوں سے
علم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم کی اہمیت و افادیت بیان کر کے مسلمانوں میں علم حاصل کرنے کا شوق و جذبہ پیدا کرنے کی سعی کی جو ان کی قومی و ملی ہمدردی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا نے علم کی اہمیت کے ساتھ علم حاصل کرنے والے یعنی عالم کی فضیلتیں بھی قرآن و حدیث اور صحابہ کرام و علماء عظام کے حوالوں سے اس کتاب میں مختلف جگہوں پر بیان کی ہیں جو مولانا کی زبردست علمی لیاقت اور فاضلانہ بصیرت کی دلیل ہیں۔ مولانا نے عالم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:-

عالم کی فضیلتیں

- ◆ کام الہی کے بھید اور خدا کی باتوں کے اسرار علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
- ◆ خدا تعالیٰ نے علماء کا ذکر اپنے فرشتوں کے ساتھ کیا اور یہ ایسا مرتبہ ہے جو نہایت نہیں رکھتا ہے
- ◆ خداوند قدوس نے علماء کی گواہی ملائکہ کی گواہی کے مانند معتبر ٹھہرائی اور عالم کی گواہی کو کافی قرار دیا۔
- ◆ فضل عالم کا عابد پر ایسا ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی سب ستاروں پر ہے۔
- ◆ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔
- ◆ قیامت کے روز علماء کی دواتوں کی سیاہی اور شہدوں کا خون تو لا جائیگا علماء کی دواتوں کی سیاہی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی۔
- ◆ روز محشر عالم خدا کے حکم سے شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔
- ◆ عالم کو محبت سے ایک نظر دیکھنا سال بھر کی روزہ نماز سے بہتر ہے۔
- ◆ عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز اور ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزاروں جنازوں

- ◆ پر حاضر ہونے سے بہتر ہے۔
- ◆ ہزار عابد قائم الیل صائم النہار کا مرنا ایک عالم کی موت کے برابر نہیں کہ خدا کے حرام و حلال سے واقف کراتا ہے۔
- ◆ جاہل کسی طرح عالم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔
- ◆ بزرگی عالم کی ایسی ہے عابد پر جیسے میری فضیلت تمہارے کم تر پر (حدیث قدسی)
- ◆ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بہتر ہے۔
- ◆ عالم روزہ دار شب بیدار مجاہد سے بہتر ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم و عالم کی فضیلتیں قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کرنے کے علاوہ اسلامی تاریخ کے حوالوں اور مثالوں سے بھی علم کی اہمیت کو ثابت کیا ہے اور قوم میں تعلیمی جذبہ ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولانا کہتے ہیں:-

”اے عزیز علم سے زیادہ کوئی چیز نہیں۔ آدم علیہ السلام کو سلطنت مصر اور سلیمان علیہ السلام کو علم کی منطق الطیر نے بقیس سی عورت اور مریم کو علم عیسیٰ علیہ السلام نے تشنہ قوم سے نجات دی۔ ایک نقطہ علمی نے مور ضعیف کا یہ مرتبہ کیا کہ پروردگار نے اسے قرآن میں بیان فرمایا جو شخص قدر و منزلت علم کی جانتا ہے اس کے نزدیک سلطنت ہفت کشور کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی“ ۱

علم کی اہمیت اور افادیت بیان کرنے میں مولانا کا انداز مخاطب پر تاثیر ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ مولانا نقی علی خاں نے اچھے استاد کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ ایک مثالی معلم میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں اس کا ذکر مولانا نے قرآن و حدیث اور علماء و فضلاء کے حوالے سے کیا ہے جو مولانا کی تبحر علمی

کا آئینہ دار ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے علم و عالم کی فضیلتیں بیان کر کے جہاں عوام الناس میں علم کا شوق و ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہیں بے عمل علما کی بھی خبر لی ہے اور ایسے لوگوں کو عذاب دوزخ سے باخبر کیا ہے جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ اس بارے میں مولانا نے متعدد احادیث مبارکہ اور انبیائے کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اس متعلق بخاری و مسلم کی روایت نقل کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:-

”مرفوعاً قیامت کے روز ایک آدمی دوزخ میں ڈالا جائیگا کہ آنتیں اسکی باہر نکل آئیں گی اور وہ گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی اس سے کہیں گے تجھے کیا ہوا؟ تو ہمیں نصیحت کرتا تھا۔ وہ کہے گا کہ تم کو کہتا تھا اور آپ نہ کرتا تھا اور تمہیں منع کرتا تھا خود کرتا تھا“۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء کو بھی ہدایت دی ہیں اور تنبیہ کی ہے۔ علم حاصل کرنے والوں یعنی طلباء کو شیطان و رغبات ہے ان میں غرور و گھمنڈ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دل و دماغ میں طرح طرح کے وسوسے اور خدشات پیدا کرتا ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے ان سب باتوں کا سد باب بھی پیش کیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ طلباء کو کون سے علوم حاصل کرنے چاہئے اور کن سے پرہیز کرنا چاہئے یا کن علوم پر زیادہ توجہ دینی چاہئے اور کن پر کم۔ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:-

”پس معرفت الہی اور جو علم مورث محبت و معرفت ہے مقصود حقیقی ہے۔ جیسے علم قرآن و حدیث، عقائد و تصوف اور جو کہ محبت کو فرمانبرداری لازم ہے۔ علم فقہ و فرائض اور اصول

فقہہ بھی علم دین میں داخل ہیں۔ علم منطق وغیرہ کو بقدر کفایت حاصل کرنا مضائقہ نہیں رکھتا لیکن اس میں اس قدر مشغول ہونا کہ مقصود اصلی سے باز رکھے نرا وسوسہ ہے“۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم، طلب علم، علم سے شیطان کی عداوت، عالم کی فضیلت وغیرہ موضوعات پر انتہائی مفصل اور عالمانہ و فاضلانہ طریقہ سے روشنی ڈالی ہے۔ دراصل مولانا نقی علی خاں اپنے وقت کے ممتاز عالم دین، فقہیہ، مفتی اور محقق تھے اور انکی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں مسلمان علم دین سے بے بہرہ اور مغربی تہذیب و تمدن کا دلدادہ ہو جائیگا جو دین محمدی اور مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوگا لہذا ان تمام خطرات کا سد باب کرنے کے لیے آپ نے ”فضل العلم و العلماء“ جیسے رسالے کی اشاعت کو ضروری سمجھا۔

یہ رسالہ بہت سادہ اور سلیس زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کا ہر مضمون سلیس و لئیس اور عام فہم ہے۔ سچی مثالوں سے اپنی باتوں کو معتبر اور وزن دار بنایا ہے۔ فضا یہی ہے کہ عوام غورو فکر کی طرف راغب ہو کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

مولانا نقی علی خاں بریلوی، عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ آپکی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن کرنے کے لیے اردو نثر کا سہارا لیا اور اپنے دور کے مذہبی نقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اردو نثر کو شرف سلامت رومی بخشا۔

نام کتاب	: احسن الوعلا وادب الدعا
اشاعت اول	: ناشر: حسنی پریس بریلی
اشاعت دوم	: ناشر: دین محمدی پریس لاہور
اشاعت سوم اگست 73ء	: ناشر: سنی باب الاشاعت کاغذی بازار کراچی
اشاعت چہارم	: ناشر: الجمع الاسلامی مبارکپور
دستیاب دوسرا ایڈیشن ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔	

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک نعمت ہے۔ مشکلات کو حل کرنے اور مصائب سے نجات پانے میں دعا بہت کارگر اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ دعا کے صحیح طریقے اور آداب جانتا ہو ورنہ دعا کا مقصد کما حقہ حاصل نہ ہوگا۔

مولانا نقی علی خاں نے مذکورہ کتاب میں دعا کے فوائد، قواعد، آداب اجابت کے امکان و اوقات، قضائے حاجت کی ترکیب وغیرہ انتہائی جامع طریقہ سے بیان کئے ہیں، اردو زبان میں دعا کے موضوع پر اتنی جامع کتاب اس سے قبل شائع نہیں ہوئی۔ یہ کتاب دعا سے متعلق معلومات کا خزانہ اور تحقیق کا گنجینہ ہے۔ دیگر تصنیفات کی طرح مولانا کی اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کتاب و سنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں عالم یہ ہے کہ ہر موضوع پر دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور حقائق و معارف کے دریا بہاتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت علمی، دقت نظر، علوم مضامین اور ذوق تحقیق ہر صفحہ تصنیف سے ظاہر ہے

مندرجہ بالا کتاب مندرجہ ذیل دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

☆	فصل اول	فضائل دعا میں
☆	فصل دوم	آداب دعا و اسباب اجابت
☆	فصل سوم	اوقات اجابت

☆	فصل چہارم	امکنہ اجابت
☆	فصل پنجم	اسم اعظم و کلمات اجابت
☆	فصل ششم	ممانع اجابت
☆	فصل ہفتم	کن کن باتوں کی دعا نہ کرنا چاہئے
☆	فصل ہشتم	ان لوگوں کے بیان میں جن کی دعا قبول ہوتی ہے
☆	فصل نہم	ان اعمال صالحہ کے بیان میں جن کے کرنے والوں کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی

☆	فصل دہم	بحث دعا کے متعلق چند سوال و جواب
☆	تذکیر	غیر خدا سے سوال کے حکم میں
☆	خاتمہ	چند تراکیب نماز حاجت میں

مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر امام اہل سنت مجدد دین ملت مولانا احمد رضا خاں نے ”ذیل المدعا لاحسن الوعلا“ کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے۔ جو کتاب کے ساتھ ہی ہے شارح نے متن و شرح میں امتیاز یہ رکھا ہے کہ اپنی تحریر کو ”قال الوضا“ سے شروع کیا ہے اور اس خط یعنی خط ہدای پر ختم کیا ہے، خاص بات یہ کہ شرح متن سے بڑھ گئی ہے۔ جو تحقیقی نوعیت کی حامل ہے،

فصل اول: فضائل دعا میں ہے اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دعا کی فضیلت میں دس احادیث مبارکہ نقل کی ہیں جن سے دعا کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے احادیث مبارکہ سے قبل اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد بھی نقل کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ امام احمد رضا نے ہر حدیث شریف کے بعد اس کی تشریح کی ہے۔

فصل کے آخر میں مصنف نے دعا کے پانچ فوائد بیان کئے ہیں جو آپ کی دینی بصیرت کے

نماز ہیں

فصل دوم: آداب و دعا اور اسباب احادیث کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولاناقلی علی خاں نے دعا کے آداب اور اجابت کے اکیاون اسباب بیان کئے ہیں امام احمد رضا نے نو آداب دعا اور اسباب اجابت کا اضافہ کر کے کل ساٹھ کئے ہیں اگر ان اسباب پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دعا قبول فرمائے گا۔ مولاناقلی علی خاں نے جو آداب تحریر کئے ہیں وہ سب معتبر احادیث اور علماء کرام کے ارشادات کے مطابق ہیں۔ اس ضمن میں مولانا نے آداب کے علاوہ بعض معتبر روایات اور واقعات بھی بیان کئے ہیں جو مولانا کی وسعت علمی کی دلیل ہیں۔

اوقات: ہر کام کا وقت معین ہوتا ہے اگر کام وقت پر کیا جائے تو کامیابی حاصل ہوتی ہے ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ دعا مانگنے کے بھی اوقات مقرر ہیں اگر ان مقررہ اوقات میں دعا مانگی جائے تو انشاء اللہ ضرور قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔

فصل سوم: میں مولاناقلی علی خاں نے ایسے چھتیس اوقات کا ذکر کیا ہے جن میں اجابت دعا کی قوی امید ہے۔ امام احمد رضا نے ان میں نو کا اضافہ کیا ہے اور کل پینتالیس اوقات کر دیئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے مولانا کے مطالعہ کی زبردست گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

فصل چہارم: دعا کی قبولیت کے لیے آداب و اوقات کے ساتھ ساتھ مقامات بھی مخصوص ہیں۔ اگر تمام شرائط پر عمل کرتے ہوئے دعا کے مقام کا خیال رکھا جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ توجہ خاص فرمائے گا۔ اور اپنے بندہ کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دے گا۔ چوتھی فصل میں مولاناقلی علی خاں نے جن مقامات کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ وسط مسجد الحرام "المترم" کعبہ معظمہ کی مشرقی دیوار کا جنوبی حصہ "داخل بیت" حجر اسود۔ نزد زمزم۔ صفا۔ مروہ۔ مکان استجابات (جہاں ایک مرتبہ دعا قبول ہو وہاں پھر دعا کرے خواہ اپنی دعا کا قبول دیکھے یا دوسرے مسلمان بھائی کی) وغیرہ

فصل پنجم: اسم اعظم و کلمات اجابت کے بیان میں ہے اس فصل میں مولانا نے نو بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں امام احمد رضا نے گیارہ کا اضافہ کیا ہے مولاناقلی علی خاں نے سرور کون و مکان ﷺ

امام احمد رضا اور علمائے کرام کے حوالے سے وہ آیات مبارکہ تحریر کی ہیں جن میں اسم اعظم ہے اور جن کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ نویں بشارت اس طرح ہے۔

”حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ

اسم اعظم اللہ لا الہ الاہو رب العرش العظیم ہے“ ۱۔

فصل ششم: اگر کسی بندہ کی دعا قبول نہ ہو تو اسے اپنا قصور سمجھنا چاہئے کہ اس میں ضرور کچھ کمی ہے۔ اللہ سے شکایت نہیں کرنی چاہئے کہ اسکی عطا میں کمی نہیں ہے۔ مولاناقلی علی خاں نے چھٹی فصل میں ایسے پانچ اسباب بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام احمد رضا نے ان میں دس کا اضافہ کیا ہے ہر مسلمان کا ان اسباب کا جاننا انتہائی ضروری بلکہ لازمی ہے۔ ان کا سد باب کئے بغیر دعا کی مقبولیت میں رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ پانچویں سبب میں مولانا نے یہ بھی واضح کیا ہے اگر کسی بندہ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اسکو مطلوبہ شے نہیں دیتا تو اس کے عوض دعا گو کو ثواب آخرت عطا کرتا ہے لیکن اس طرح دعا کی مقبولیت ظاہر نہیں ہوتی اور بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم دیتا ہے اس لئے ہر حال میں جائے شکر ہے نہ کہ مقام شکایت۔

فصل ہفتم: ساتویں فصل میں ان باتوں کا ذکر ہے جن کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے مثلاً لغو اور بے فائدہ باتیں یا وہ چیزیں جو محال ہیں یا قریب محال ہیں۔ قطع رحم کی۔ کسی مسلمان کی موت یا کسی مسلمان کے لئے بددعا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے لیے دعا نہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے بارہ مسائل بھی پوری تفصیل سے دلائل و براہین کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ امام احمد رضا نے ان بارہ مسائل میں تین کا اضافہ کر کے کل پندرہ کئے ہیں۔

فصل ہشتم: آٹھویں فصل ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مولاناقلی علی خاں نے ایسے آٹھ لوگوں کا ذکر کیا جن کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوتی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو ان لوگوں سے اپنے لئے جائز تمناؤں کی دعا کرنا چاہئے امام احمد رضا نے ان میں گیارہ

کا اضافہ کر کے ایسے لوگوں کی تعداد نہیں کر دی ہے۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے جن آٹھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے وہ ہیں۔ مضطر۔ مظلوم۔ عادل۔ بادشاہ۔ روزہ دار۔ وہ مسلمان جو دوسرے مسلمان کے لیے دعا مانگے۔ ماں باپ کا فرمانبردار۔ مسافر۔ والدین جو اپنی اولاد کے حق میں دعا مانگیں۔ مولانا نقی علی خاں کے متذکرہ بالا الفاظ میں کتنے معنی و مضامین پوشیدہ ہیں اس کا اندازہ امام احمد رضا کی اس تصنیف میں تحریر کردہ شرح و نقل سے لگایا جاسکتا ہے یہ شرح مولانا نقی علی خاں کی عالمانہ و فاضلانہ فہم و فراست پر صاف ہے۔

فصل خیم: نویں فصل ان اعمال صالحہ کے بارے میں ہے جن کے کرنے والے کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی وہ اعمال تین ہیں۔ اول:- درود شریف کی کثرت۔ دوم:- یاد الہی۔ اگر بندہ یاد الہی میں غرق رہ کر دعائے مانگ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو مانگنے والے سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ سوم:- اس قدر تلاوت کلام اللہ کہ بندہ دست سوال دراز نہ کر سکے۔ یہ نویں فصل اس کتاب میں نہیں ہے شارح امام احمد رضا نے اس کا اضافہ کیا ہے۔

فصل دہم: دسویں فصل میں بحث دعا سے متعلق بطرز سوال و جواب ہیں۔ اس میں مولانا نے دعا کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعہ علم و حکمت۔ عرفان و بصیرت۔ فقہ اور تصوف کے پیش بہا خزانے بہائے ہیں اور ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے تصوف اور فقہ کے بارے میں علما نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ مولانا اس موضوع پر کہتے ہیں۔

”تصوف ہر چند برتر و افضل ہے مگر فقہ اسلام و اشمل ہے اسی واسطے کہتے ہیں۔ باطن ظاہر پر مقدم نہ کیا جائے نہ تحصیل میں نہ احکام کی تعمیل میں کہ تحصیل فقہ بعد از عمق فی التصوف مشکل ہے بخلاف العکس۔ اسی لئے کہتے ہیں کن فقیہا صوفیاً ولا تکن صوفیاً فقیہاً۔ پس یہ حکم صاحب مقام فنا

کیلئے مخصوص ہے جسے یہ مقام حاصل ہو اس کے حق میں ترک دعا افضل“۔

اس طرح مولانا نے اس فصل میں پانچ سوالوں کے جوابات کے ذریعہ بہت مشکل اور ادق مسائل حل کئے ہیں۔ جو نہایت جامع اور تصوف و فقہ کے مسائل کے موضوعات میں قابل قدر اضافہ ہے دسویں فصل کے بعد تذکیل اور پھر خاتمہ ہے۔

خاتمہ میں مولانا نے نماز حاجت کی دس ترکیبیں تحریر کی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات اور ائمہ کرام سے منسوب ہیں اور نہایت مجرب ہیں۔

موضوعات کے تقاضوں کے مطابق اگرچہ مولانا نے عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا ہے پھر بھی اسلوب نگارش نہایت دلکش، رواں اور پرتا شیر ہے۔ ان کے طرز تحریر کی بڑی خوبی اختصار ہے وہ بڑی اور طویل بات کو بھی مختصر طور پر پیش کر گئے ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بات کو کئی سطروں میں پیش کرتا لیکن مولانا اسے ایک جملہ میں ادا کر دیتے ہیں۔ مولانا نے غیر ضروری باتوں کی تفصیلات پیش کرنے سے گریز کیا ہے۔ الغرض مولانا نقی علی خاں کے انداز بیان میں علمیت اور ادبیت کے ساتھ جاذبیت اور دلکشی ہے۔ عبارت عالمانہ اور معیاری ہے۔

انداز تحاطب اور دلچسپ اسلوب تحریر کی ایک مثال پیش ہے

”اے عزیز: وہاں کے لئے کیا جمع کیا کہ یہاں سے بھاگنا ہے اگر موت کی شدت و سختی سے واقف ہو تو آرزو نہ کرے کاش تمام دنیا کی تکلیف مجھ پر ہو اور چند روز موت سے مہلت ملے“۔ ۲

باب پنجم

ہم عصر اردو نگاروں سے مولانا کی طرز نگارش کا

تقابلی مطالعہ

5

باب پنجم

ہم عصر اردو نثر نگاروں سے مولانا کی
طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ

مولانا تقی علی خاں بریلوی عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشق رسول ﷺ سے روشن کرنے کے لئے اردو نثر کا سہارا لیا۔ اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ آپ نے اپنے مقاصد و مفاہم واضح کرنے کے لئے موقع محل کے اعتبار سے طرز نگارش کا استعمال کیا۔ مولانا تقی علی خاں نے اردو نثر میں دہلی یا لکھنؤ اسکول کے ادیبوں کی تقلید نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی راہ خود نکالی اس لئے وہ اپنے ہم عصر نثر نگاروں میں منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ مولانا تقی علی خاں کی نثر اسلوب تحریر اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ آپ نے اپنے مطالب و مفاہم کو واضح کرنے کے لئے ہمہ اقسام نثر کا استعمال کیا۔ اس لئے آپ کی تصانیف میں ہمہ اقسام نثری شاہکار موجود ہیں۔ یہی خوبی مولانا تقی علی خاں کو اپنے ہم عصر نثر نگاروں سے ممتاز بناتی ہے۔ اسکی وضاحت ان کے ہم عصروں کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتی ہے۔ ان کے زمانے میں رجب علی بیگ سرور، اسد اللہ خاں غالب، مولوی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد وغیرہ صاحب طرز ادیب ہیں ان کی نثر نگاری اور انداز تحریر اپنی اپنی جگہ انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

رجب علی بیگ سرور:

اردو نثر میں سب سے پہلے ایک الگ رنگ کی نثر لکھنے والوں میں رجب علی بیگ سرور نمایاں

ہیں۔ نثری روایات کے مطابق سرور نے منطقی مسجع نثر سے اپنی انفرادیت قائم کی لیکن سلیس اردو نثر کے نمونے بھی ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ سرور نے جب نثر نگاری کے میدان میں قدم رکھا اس وقت ملک میں فارسی کا بڑا چرچا تھا۔ اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ دلنیش اور تحریر کو رنگین بنانے اور نثر نگاری کے کمالات دکھانے کے لئے عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب کثرت سے استعمال کئے جاتے تھے۔ اسی لیے ”فسانہ عجائب“ کا اسلوب دقیق، رنگین اور عبارت پر تکلف اور مرصع ہے لیکن سرور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے رسمی پابندیوں کے باوجود تازگی اور شگفتگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ ان کی عبارت میں بے ساختگی اور شگفتگی ہے۔ عبارت میں الجھن نہیں ہوتی۔ ”فسانہ عجائب“ میں تصنع اور تکلف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دلکشی ہے کہ قاری کو الجھن نہیں ہوتی۔ سرور کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ کے مطابق الفاظ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور ضرورت ہو تو ہندی الفاظ کا استعمال بھی فنکارانہ طریقے سے کرتے ہیں۔ اس طرح کی زبان اور انداز بیان سے پورے طور پر لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے۔

”صحرائے ہمیشہ بہار“ میں جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

”چلے کے جاڑے، کڑا کے سردی تھی، گویا کہ زمین سے آسمان تک بچ بھردی تھی، پرند چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جے بیٹھے تھے بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے، دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے۔ قصد سے تھر تھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا۔ دم تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی۔ منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی۔ مار سیاہ اوس چائے

باہر نہ آتا تھا۔ سردی کے باعث دم دبا کے مابی میں دپکا جاتا تھا۔“ ۱

ڈاکٹر سید سلیمان حسین، سرور کی طرز نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فسانہ عجائب“ میں (چند اقتباسات سے قطع نظر جہاں قافیہ کی پابندی کی وجہ سے جملوں کی ساخت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا پڑا ہے) عموماً قافیہ کا بڑا فنکارانہ اور چست استعمال ملتا ہے۔ بعض فقروں میں تو قافیہ ردیف میں ایسا چسپاں ہوا ہے کہ نثر میں نظم کا سلف آگیا ہے۔“ ۲

سر سید احمد خاں:

سر سید احمد خاں جدید اردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں۔ آپ نے اردو زبان کو قافیہ اور ردیف کی قید سے نجات دلا کر آزاد فضا میں سانس لینے کے قابل بنایا اور اردو نثر میں توانائی اور ہر رنگ میں دھل سکے کی صلاحیت پیدا کر کے اس کے دائرے کو وسیع کیا اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے سامنے سر اٹھانے کے لائق بنایا۔ سر سید نے مذہبی، سیاسی، تاریخی اور علمی موضوعات سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں ان میں ”خطبات احمدیہ“، ”آثار الضادید“، ”تاریخ سیر کشی بجنور“ اور ”اسباب بغاوت ہند“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام کتابیں اپنی علمی اور تحقیقی مواد کی بنا پر کافی اہم سمجھی جاتی ہیں۔

دسمبر 1870ء میں سر سید نے ”تہذیب الاخلاق“ جاری کیا جس نے قدیم اسلوب تحریر اور طرز نگارش میں اصلاح و تہذیبی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے فارسی نما اردو کی بجائے سیدھی سادی زبان کی بنیاد ڈالی اور اردو طرز نگارش کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس طرح سر سید نے اردو کو ایک

۱۔ فسانہ، عجائب از: رجب علی بیگ سرور ناشر: یو۔ پی۔ اردو اکیڈمی لکھنؤ ص 346, 347

۲۔ مقدمہ فسانہ، عجائب از: سید سلیمان حسین ص 29

دانشیں، سادہ شکلفہ اسلوب اور لب و لہجہ دیا۔ سرسید سیدھے سادے الفاظ میں پیچیدہ خیالات کو بڑی خوبی سے ادا کرنے کے ماہر ہیں۔ اس کے علاوہ سرسید کی تحریر میں زور بیان بھی ہے جس سے ان کی تصانیف کا وزن اور وقار زیادہ ہو جاتا ہے۔ سرسید نے عام طور سے منافع و بدائع کے استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ تاہم عبارت کو پُر اثر اور بلیغ بنانے کے لیے کہیں کہیں ان کا سہارا بھی لیا ہے وہ اکثر اپنی تحریروں میں افسانوی رنگ اور درو کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور قاری کی نگاہوں کے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں کہ وہ محو ہو جاتا ہے۔ ایک مضمون میں لکھتے ہیں:-

”دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کونٹوں میں
سات تہہ خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج سا
چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و مددگار، غیر
مقام غیر مذہب کے لوگوں میں قید ہے۔ بڑھے
باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز
بھائی کی جدائی اس کے دل کو ٹنگین رکھتی
ہے۔ قید خانے کی مصیبت، اسکی تنہائی، اس گھر
کا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو
نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی
اُس کا ساتھی نہیں مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی
امید تھی میں اسکی خوشی ہے۔“ ۱

سرسید کا طرز بہت پُر اثر ہے۔ سادگی خلوص اور عدم تصنع اسکی خصوصیات ہیں۔ مولانا شبلی نے ان کے متعلق لکھا ہے:-

”اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام میں

نہیں لائی گئی اس میں علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی
تلمیحات بہت کم ہیں اس لیے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو
میں لکھنا چاہے تو الفاظ مساعدت نہیں کرتے لیکن سرسید
نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس فصاحت اور دل
آیزی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ کوئی
دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے۔“ ۲

سرسید بلاشبہ نہ صرف گلستان ادب اردو میں سرسبز و شاداب درخت تھے بلکہ گلشن ادب اردو
میں ان سے طویل اور شاندار درخت کوئی نہ تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد:

عام طور پر ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے۔ نذیر احمد نے مراۃ العروس،
بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانہ مبتلا، ابن الوقت، ایامی اور رویائے صادقہ سات ناولیں لکھیں۔ نذیر
احمد کی یہ سب ناولیں اخلاقی و سبق آموز اور نصیحت خیز ہیں اس کے علاوہ نذیر احمد نے اور بھی علمی و ادبی
خدمات انجام دیں مثلاً ”انڈین پینل کوڈ“ کا اردو ترجمہ ”تغزیرات ہند“ کے نام سے کیا۔ پھر قرآن مجید کا
سلیس اور ہامادورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ ایک عیسائی مبلغ نے اپنی کتاب ”امہات المؤمنین“ میں
ازواج مطہرات کی شان میں نازیبا کلمات لکھے تھے۔ نذیر احمد نے اس کے جواب میں ”امہات الامۃ“
لکھی۔ اسی طرح اخلاقیات میں ”منتخب الحکایات“، ”چند پند“ اور ”مواعظ حسنہ“ لکھے۔ مذہب میں
”الحقوق والفرائض“ اور ایک کتاب ”ادعیۃ القرآن“ لکھیں۔ منطق میں ”مبادی الحکمتہ“، ہیئت میں
”سموات“ اور قواعد میں ”صرف صغیر“ لکھی۔ اس کے علاوہ ان کی کتاب ”کتاب الاجتہاد“ ہے جو
1908ء میں شائع ہوئی۔

غرض اس طرح نذیر احمد نے اردو میں اہم ادبی خدمات انجام دیں۔ وہ ایک طرز خاص کے

مالک ہیں۔ ان کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے۔ ان کا اسلوب صاف، واضح اور زوردار ہے۔ اس میں روانی اور بے ساختگی ہے۔ نذیر احمد کو زبان پر زبردست قدرت حاصل تھی اسی لیے وہ تشبیہات اور استعارات سے کام لینے کے بجائے سیدھی سادی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور محاوروں کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح نذیر احمد ایک ناول نگار کے علاوہ ایک صاحب اسلوب کی حیثیت سے بھی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ نذیر احمد خود اپنی زبان کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”جو کچھ وقت اس کتاب (مراۃ العروس) کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی بامحاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد اور بناوٹ کا دخل نہ ہو۔“

نذیر احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے بامحاورہ بولی میں تصنیف کا کام انتہائی احتیاط اور محنت سے کیا۔ نذیر احمد ایک بلند پایہ خطیب تھے اور یہ خطیبانہ انداز اکثر جگہ ان کے ناولوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ ایک کامیاب خطیب کی طرح زبان و بیان پر قدرت کاملہ کے اظہار کے ساتھ اپنی شخصیت کا بھی اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں کرداروں کے مزاج، ماحول اور ذہنی و نفسیاتی سطح کے مطابق ہی اظہار بیان کے پیرائے اختیار کئے ہیں۔ چنانچہ مذہبی معاشرہ کے پس منظر میں علماء، فقہاء اور واعظین کی زبان پر آیات و احادیث کے حوالے اور علمی اصطلاحات وغیرہ حسب حال معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح خالص عوامی زبان کا استعمال بھی موقع اور مناسبت سے کرتے ہیں۔ یعنی نذیر احمد نے نہایت بے باکی اور بے تکلفی سے اپنی معاشرتی زبان کا استعمال کیا ہے۔ وہ زبان کے معاملہ میں بڑے فیاض اور فراخ دل ثابت ہوئے ہیں۔ نذیر احمد کہیں کہیں اختصار کے بجائے تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات قاری کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں لیکن اظہار بیان کی سب سے بڑی

رہی یہ ہے کہ خیالات کے اظہار میں الفاظ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔

نذیر احمد کا اسلوب، قوت، سلامت، صلابت، روانی اور سادگی سے عبارت ہے۔ وہ ایک مخصوص و منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ ایسا اسلوب جو اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب:-

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب جتنے بڑے شاعر ہیں اتنے ہی بڑے نثر نگار بھی ہیں۔ اردو نثر کی بنیادوں کو استوار کرنے میں خطوط غالب کا رول بہت نمایاں ہیں۔ غالب کے خطوط کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ اس زمانے میں خط لکھنے کا جو انداز تھا غالب نے اسے خیر باد کہہ دیا اور عام روش سے الگ ہٹ کر یہ خطوط لکھے۔ غالب نے اپنا راستہ آپ نکالا اور اپنے مزاج کے مطابق مکتوب نگاری میں بھی کسی کی تقلید کرنا اپنی کسر شان سمجھا۔ غالب نے مکتوب نگاری میں جدت پیدا کی مروجہ طریقہ کو یکسر رد کر دیا۔ مدتوں سے یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ مکتوب الیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لمبے لمبے القاب لکھے جاتے تھے۔ غالب نے یہ القاب و آداب موقوف کر دیئے اور ان کی جگہ مختصر القاب لکھے۔ غالب کے زمانے تک خطوط میں عبارت آرائی، بے جا الفاظی، بہت زیادہ تصنع اور بناوٹ کا رواج تھا۔ غالب نے ان عیوب کا خاتمہ کیا اور بول چال کی عام زبان سے کام لیا۔ اس وقت مکتوب نویسی کی اصل زبان فارسی تھی مگر اردو میں بھی خط لکھنے جانے لگے مگر ان کا انداز بالکل فارسی جیسا تھا یعنی تصنع اور مبالغہ آرائی سے بھرپور۔ غالب نے اس کے برخلاف بات چیت کا انداز اختیار کیا۔ بہت سے خطوط کی شروعات ہی اس طرح ہوتی ہے جیسے بے تکلف بات چیت کی جارہی ہو۔ مثال ملاحظہ ہو:-

”ارے کوئی ہے، ذرا یوسف مرزا کو بلائیو، صاحب

وہ آئے۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو؟ ادھر آؤ

خبریں سنو۔“

زیادہ تر خطوں میں یہی انداز ملتا ہے جیسے خط نہ لکھ رہے ہوں باتیں کر رہے ہوں۔ غالب

کے مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ ظرافت ان کے خطوط میں بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ وہ ہر خط میں کوئی ایسی بات لکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو پڑھ کر مکتوب الیہ خوش ہو۔ کسی نے غالب سے روزہ نہ رکھنے کی شکایت کی اسے جواب میں لکھتے ہیں:-

دھوپ بہت تیز ہے، روزہ رکھتا ہوں، مگر روزہ کو بھلاتا رہتا ہوں۔ کبھی ایک کنوڑ پانی پی لیا کبھی حقہ کا کش لگالیا، کبھی روٹی کا ٹکڑا کھالیا۔“

غالب کے خطوط نے نہ صرف اردو مکتوب نگاری بلکہ اردو نثر کی تاریخ کو بھی زبردست اثر انداز کیا۔ ان کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور سادگی ہے جو سستے پن سے کافی دور ہے۔ اس کے لب و لہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جس کے ذریعہ نئے اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔ غالب نے اردو خطوط نگاری کو ایک نیا اسلوب اور لب و لہجہ دیا مراسلہ کو مکالمہ بنایا اور تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیا۔

غالب نے اپنے خطوط میں بہت سے علمی مسائل پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی ہے۔ ان خطوط میں انھوں نے اپنے کئی شعروں کی تشریح خالص علمی انداز میں کی ہے۔ علمی نثر کے ساتھ ساتھ غالب میں تخلیقی نثر کے دلکش نمونے بھی موجود ہیں جو قاری کے ذہن پر اثر کرتی ہیں۔ اولیس احمد غالب کی خطوط نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”غالب کا بنیادی وصف جدت طرازی ہے ان کے خطوط ان کی جدت پسندی، شخصیت کا بہترین نمونہ ہیں انھوں نے اپنے خطوط میں بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ ان خطوط میں موضوع کے لحاظ سے تنوع پایا جاتا ہے مگر وہ بڑی سادگی اور صفائی

سے ہر موضوع پر لکھتے چلے گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں سادگی، سلاست، رنگینی، رعنائی اور لطف انگیزی

کا بڑا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔“

بحیثیت مجموعی غالب کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور سستی و سادگی ہے جو سستے پن سے کوسوں دور ہے۔ اس میں ادب اور زندگی کا نیا شعور، لب و لہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جو ایک خاص انداز نظر کا عطیہ ہے۔ جس کے ذریعہ ایک کارآمد و سادہ اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔

الطاف حسین حالی:

خواجہ الطاف حسین حالی کا شمار جدید اردو نثر کے معماروں میں کیا جاتا ہے اور آپ اردو کے پہلے باقاعدہ نقاد مانے جاتے ہیں۔ مہدی افادی نے حالی کو اردو کے عناصر خمسہ میں شامل کیا ہے۔ آپ کی تصانیف ”مقدمہ شعر و شاعری“، ”یادگار غالب“، ”حیات جاوید“ اور ”حیات سعدی“ اردو کی شاہکار تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں۔

مولانا حالی کی نثر سرسید کی طرز نگارش پر ڈھلی ہوئی ہے اس میں سادگی اور صفائی ہے۔ سادگی بیان کے ساتھ ساتھ انکی تحریروں میں ایک تبلیغی جوش پایا جاتا ہے جو ان کی اسلوب نگارش میں زور اور روانی پیدا کرتا ہے

حالی کے اسلوب میں دھیما پن اور سادگی پائی جاتی ہے ان کی سادگی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بے رنگی نہیں۔ ان کی سادہ نگاری یوں تو عام فہم اور بول چال کے الفاظ سے عبارت ہے لیکن الفاظ کی خوبصورتی بھی مد نظر رہتی ہے۔ وہ الفاظ کی شیرینی اور نرمی پر بھی توجہ دیتے ہیں لیکن حالی کے اسلوب میں نفاست کی کمی ہے وہ اپنی سادگی پر اس درجہ قانع تھے کہ طرز تحریر میں تراش خراش کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اسلوب کو آسان بنانے کے لیے بھاشا کے ٹھیک اور سیدھے سادے الفاظ و تراکیب

کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ”یادگار غالب“ کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:-

”مرزا کے ابتدائی کلام کو مہمل دے معنی کہو یا اس کو

اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو مگر اس

میں شک نہیں اس سے انکی ازجلیٹی اور غیر معمولی

ایچ کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور یہی ان کی میزھی

ترجمی چالیں انکی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و

استعداد پر شہادت دیتی ہیں۔ معمولی قابلیت و

استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پگڈنڈی

پر اگلی بھیڑوں کا گلہ چلا جاتا ہے اس پر آنکھیں

بند کر کے گلہ کے پیچھے بولیں اور پک کر ادھر ادھر

آکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ جو نہر یا پیشہ اختیار کریں اس

میں اگلوں کی چال ڈھال سے سرمو تیار نہ کریں

اور ان کے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں۔“ ۱۔

مندرجہ بالا عبارت میں صفائی، روانی اور سلاست ہے۔ طرز بیان میں مترادفات کا بار بار استعمال ہے جس سے خیال کی وضاحت اور بیان کی روانی میں اضافہ ہو گیا ہے مثلاً ”قابلیت و استعداد“ کی تکرار ”ہنر یا پیشہ“، ”مہمل و بے معنی“ مقصد کو پوری طرح واضح کر رہے ہیں۔ میزھی، ترجمی، پگڈنڈی اور چال ڈھال جیسے بھاشا کے ٹیٹ الفاظ کا استعمال ایک تناسب اور توازن کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن اس قسم کی عبارت میں سادگی کے باوجود شستگی کی کمی ہے اور نفاست کا فقدان ہے تاہم اظہار مقصد کے لئے ایک موثر اور کارآمد نثر ہے۔

حالی ادیب یا شاعر ہی نہیں بلکہ عالم و معلم بھی ہیں اس لیے ان کی نثر کا سارا زور بیان اپنے

انکار و خیالات کی تبلیغ کے لئے ہے انشاء پر دازی یا افسانہ طرازی کے لیے نہیں اسی لئے ان کی تحریروں میں تبلیغی جوش پایا جاتا ہے اور اسی جوش نے حالی کی تحریروں میں متانت و سنجیدگی پیدا کر دی ہے۔

مجموعی طور سے اردو کے عناصر غمہ میں الطاف حسین حالی زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور

اردو نثر کے لیے انکی اپنی الگ افادیت ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد:

مولانا محمد حسین آزاد کا شمار بھی اردو کے عناصر غمہ میں ہوتا ہے۔ آب حیات، نگارستان

فارس، بخندان فارس، مقدمہ دیوان ذوق و دربار اکبری آزاد کی مشہور تصانیف ہیں۔ مولانا آزاد کی طرز

نگارش پر تبصرہ سے قبل ہم ان کی اسلوب نگارش کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں:-

”جب وہ صاحب کمال ارواح سے کشور اجسام

کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس

کے پھولوں کا باغ سجایا، جنگی خوشبو شہرت عام

بن کر جہاں میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام

سے آنکھوں کو تراوت بخشی۔ وہ تاج سر پر رکھا گیا

تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو

کلمات کا اثر نہ پہنچے، ملک الشعرائی کا سکہ اس کے

نام سے موزوں ہوا اور اس کو طغرائے شامی میں

یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا چنانچہ

اب امید نہیں کہ ایسا قادر الکلام پھر ہندوستان میں

پیدا ہو۔“ ۱۔

مولانا آزاد کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ آزاد کا بیان شاعرانہ استعارات سے

بھرا ہوا ہے اس میں رنگ آمیزی بھی ہے اور مبالغہ آرائی بھی۔

آزاد زبان کو آرائش کے زیوروں سے بوجھل کر دیتے ہیں۔ مگر یہ چیزیں آزادی کی سلاست بیان میں روڑے نہیں اٹکاتی اس لیے آزاد کے اسلوب کی روانی اور صفائی عام طور پر برقرار رہتی ہے۔ آزاد اپنے الفاظ اور جملوں کی تنظیم کرتے ہیں لیکن یہ تنظیم فکر شعر کی سی ہے۔ ان کی عبارت میں منطقی اور نفاست پائی جاتی ہے۔ آزاد کی نثر اپنے مقاصد کے لیے ایک کارآمد اور موثر نثر ہے۔ آزاد کو زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ استعارات اور رنگ آمیزی کے باوجود زبان و بیان کی دلکشی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ آزاد کے یہاں تشبیہ و استعارات کے علاوہ روزمرہ کے محاورات کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آزاد نے صنائع و مترادفات اور صفات کا استعمال قدما کی پیروی میں کیا ہے۔ آزاد جب اپنی بات شروع کرتے ہیں تو ان کا اسلوب فارسی آمیز اور پر تکلف ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ سادگی اور بے تعلقی کی جانب مائل ہوتا ہے اور فارسی انداز نگارش کا بوجھل پن موسیقیت کی خوش گواری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی آزاد کا طرز نکاح و اتنا دل پذیر اور دلکش ہے کہ ان کی فنی خامیوں کی طرف دھیان نہیں جاتا ان کے جملے اور فقرے عام طور پر ترشے ہوئے اور رواں دواں ہوتے ہیں۔

مولانا نقی علی خاں:

مولانا قلی علی خاں کی نثری تصانیف کا جائزہ لینے کے بعد یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا قلی علی خاں صاحب طرز و اسلوب نثر نگار ہیں۔ آپ نے اپنی نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ، اشعار اور جاہلہ و قرآن پاک کی آیات و احادیث اس خوبی سے استعمال کئے ہیں کہ ان کی نثر جو حوصلہ یاقین نہیں بنی بلکہ اس میں زور و تاثیر پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا ہر لفظ اور ایک ایک فقرہ نیا سلا ہوتا ہے۔ وہ الفاظ کا ٹھیک طور پر مہمگی سے استعمال کر کے اس طرح جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ سماں بندھ جاتا ہے۔ انکی عبارت تنہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پراثر ہوتی ہے۔ ان کے یہاں سادگی اور سلاست ہے۔ تصنع

۳۶۶۔ عرب و روم نگاروں سے مولانا کی طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ

اللہ سے انکی نذر کا دامن پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں خود اپنی زبان اور صنعت سے متعلق لکھتے ہیں۔

”اس تالیف (تفسیر سورہ الم نشرح) سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل و کمال۔ اس لیے اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور رنگینی عبارات اور تقریبات مشکلہ اور مضامین مغلطہ اور جمع اور تصحیح ترک کر کے سہل سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔“ ۱

مولانا تقی علی خاں کے اس بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ انھوں نے تصنیف کا کام بڑی احتیاط و محنت سے کیا ہے۔ چونکہ اپنی عبارت آرائی کے لیے قلم فرسائی نہیں کی بلکہ ان کا اولین کام مقصد قارئین کے مزاج اور لیاقت کے مطابق ان تک اپنی بات پہنچانا تھا اس لئے آپ نے روزمرہ کی بول چال اور محاورات کے علاوہ تشبیہات، استعارات، قافیہ بندی، نثر نگین، نثر سادہ و سلیس کا استعمال موقع و محل کے لحاظ سے کیا ہے۔

نشر مقفی :

مولانا قلی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز میں نثر منقحی پیش کی اس لئے ان کی نثر کے مضامین مجروح نہیں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا قلی علی خاں نے نثر منقحی کی آبرورکھ لی اور اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا کہ نثر منقحی اظہار مقصد کے لیے ناکافی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم زکسب کی تعریف منقحی نثر میں ملاحظہ ہو:-

روشنی چشم ابوالبشر۔ چشم بدور عجب آنکھ ہے ماشا اللہ کہ چشم فلک کو بایں گردش لیل و نهار نظیر اس کا نظر نہ آیا اور

آہوئے حرم نے چین وختن تک ڈھونڈا کہیں اس کا ہمسر
نہ پایا۔ غزالان چیں اگر اس چشم سرگیں کو دیکھ پائیں عمر
بھرا شک حسرت آنکھوں سے بہائیں اور آہوان ختن اگر
اس دیدہ نرکس کے سامنے آنیں چو کڑی بھول جائیں !
مندرجہ بالا اقتباس نثر منقحی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

نثر نگارین:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں نثر سلیس رنگین کا بھی بہت سلیقہ سے استعمال کیا ہے۔ مولانا بریلوی جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ ان کی رنگین عبارت سے بھی بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے۔
علمائے عظام کے مطابق اللہ تعالیٰ جس کو اپنا محبوب بناتا ہے اس کو دروغ عطا فرمادیتا ہے اس کے برعکس جو بارگاہ خداوندی میں مردود ہوتے ہیں انہیں عیش و عشرت دیا جاتا ہے۔ شداد و نمود اس کی مثال ہیں۔ علما کے اس کلیہ کو مولانا بریلوی کس سلاست کے ساتھ بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو:-

”آگ محبت کی ہر وقت ان کے سینہ میں بھرتی رہتی ہے
اور آرام سے اصلاً ان کو کام نہیں۔ دل ان کا تیغ عشق
سے پارہ پارہ اور سینہ ان کا تیر محبت سے فگار۔ کوئی
مرہم ان کے زخم دل کو نہیں بھر سکتا اور کوئی جراح ان کے
چاک جگر کا علاج نہیں کر سکتا۔“ ۲

”تیغ عشق“ کی مناسبت سے ”پارہ پارہ“ ”فگار“ کی مناسبت سے ”تیر“ اور جراح کی رعایت سے ”چاک جگر“ کا استعمال جہاں نثر کو رنگین بنارہے ہیں وہیں عبارت میں زور و تاثیر بھی پیدا کردہ ہے ہیں اور فی اعتبارہ بھی عبارت انتہائی دلکش ہے۔ انھوں نے نثر رنگین میں جاندار زبان اور پر معنی الفاظ استعمال کئے ہیں اس لیے بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام دینے

میں مولانا نقی علی خاں کا اہم رول ہے۔

نثر سلیس سادہ:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اردو انشا پر دازی پر مکمل طور پر عبور حاصل تھا۔ نثر سلیس سادہ میں مولانا کی طرز نگارش کی لطافت اور انداز بیان کی فصاحت کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ان کی عبارت میں نہ کہیں جھول ہے نہ سقم وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں انتہائی سادگی اور سلاست سے کہہ دیتے ہیں۔ سادہ سلیس نثر کا نمونہ پیش ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے بارے میں حضرت حلیمہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں۔

”ایک روز غیب سے آواز آئی اے حلیمہ تجھے
اس فرزند کا ساتھ مبارک ہو جو تمام عرب کا
سردار ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں جو دعائیں میں نے
حضرت کے وسیلہ سے مانگیں فوراً قبول ہوئیں
اور کبھی بول و براز حضرت کا نہ دھویا کہ آپ
بستر پر پیشاب نہ کرتے۔“ ۱

مولانا نقی علی خاں نے اپنے مقاصد و مطالب کو سلیس سادہ نثر میں انتہائی لطافت و نفاست کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سادہ و سلیس نثر کا ایک اور ادبی شہ پارہ ملاحظہ ہو:-

”ایک حکیم کسی مغرور کے گھر گیا، تھوک کی حاجت
ہوئی اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ بہت خفا ہوا،
کہا اس وقت مجھے تھوکے کی ضرورت تھی بہت خیال
کیا۔ متکبر کے منہ سے کوئی جگہ بدتر نہ پائی۔“ ۲

استعارے:

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نثر میں استعاروں کا استعمال کر کے اپنی بات میں زور و تاثیر پیدا کی ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے:-

(1)

”جب حرم مدینہ طیبہ زلزلہ نالہ لہ کر فک و طیبہ کے قریب پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے شوق و ذوق میں ڈوب جائے۔ دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے اور کہے او بے وقت سونے والے! جاگ اور ہوشیار ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔“

(2)

”عینی علیہ اسلام فرماتے ہیں تم چھلٹی ہو جاؤ کہ آتا چھن جاتا ہے اور بھوسی اسی میں رہ جاتی ہے۔“

خطیبانہ انداز:

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ ممتاز عالم دین، فقیہ عصر، مفتی زماں اور ہمہ سال خطیب تھے اس لئے ان کی تصانیف میں کہیں کہیں خطیبانہ انداز بھی جلوہ گر ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے:-

”تمام جہان کا مالک تم پر طرح طرح کے احسان کرتا ہے

کہ سلطنت ہفت کشور ان کے مقابل اصلاً قدر و قیمت نہیں رکھتی مگر تم اسکی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ وہ فرماتا ہے نماز پڑھو تم نہیں پڑھتے۔ وہ کہتا ہے روزہ رکھو تم نہیں رکھتے وہ ارشاد کرتا ہے زکوٰۃ دو تم نہیں دیتے، وہ فرماتا ہے حج کرو تم نہیں کرتے۔ وہ گناہوں سے منع کرتا ہے تم باز نہیں آتے۔ اس سے زیادہ آفت اور سخت شرارت یہ ہے کہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے اور اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے۔“

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں زبان کی روانی اور صلاست بے مثال ہے اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔ ان کے اسلوب میں شگفتگی اور لطافت ہے۔ آپ نے یہ شگفتگی اور لطافت الفاظ سے نہیں معنی اور مراد سے پیدا کئے ہیں۔ مولانا کی نثر کا ایک ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ نپا تلا ہے۔ مولانا ہذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ سناں بندھ جاتا ہے۔ مولانا کو اظہار بیان پر قدرت حاصل ہے اور تاثرات کے اظہار میں شگفتگی اور وارفتگی ہے۔ تاثرات کے اعتبار سے بھی اور زبان و بیان و طرز و اسلوب کے اعتبار سے بھی مولانا تقی علی خاں کے نثری شاہکار اردو کے ادب عالیہ کی جان ہیں۔

مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نفاست اور فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی ہے۔ آپ نے عام فہم اور کھل الفاظ کا استعمال کیا جس سے بے ساختگی اور پرداختگی پیدا ہو گئی ہے۔ مولانا تقی علی خاں کی نثر شگفتہ ادبی نثر ہے جس میں عالمانہ شان جلوہ گر ہے۔ آپ کی عبارت میں جامعیت اور معنویت ہے۔ بیان میں لطافت و بلاغت کی چاشنی اور اسلوب میں شگفتگی ہے۔

مولانا نے ابتدا سے آخر تک اردو نثر کے آغاز کی غرض و غایت کو ملحوظ خاطر رکھا اور اسکا استعمال تبلیغ دین اور اصلاح عقائد و معاشرہ کے لیے کیا۔ آپ کا قلم دینی عیاشی، افسانوں اور ناولوں کے

لیے نہیں اٹھا بلکہ اس صراطِ مستقیم کیلئے چلا جس کے لئے بزرگوں نے اردو نثر کو جنم دیا آپ کی تمام تصنیف میں مخاطب عوام ہیں اس لیے آپ کی نثر سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت اور شیرینی و شگفتگی سے عبارت ہے اسی لئے وہ اپنے ہم عصر اردو ادیبوں میں اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں۔

حجاب ششم

ماحصل

☆☆☆



ماہی

اور انگریز مالگیری کی وفات کے بعد سیاسی ابتری و فطرت گرمی کا بازار گرم ہوا۔ سات سمندر پار سے آنے والی قوم انگریز اس ملک پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے تھی۔ ذہنی اعتبار سے ہندوستانی انگریزوں سے مغلوب ہو چکے تھے اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلے احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے۔ اس طرح ہندوستانی عوام نہ صرف سیاسی زوال سے دوچار ہوئے بلکہ ذہنی و فکری ہر اعتبار سے انھوں نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے جسکی وجہ سے ہندوستانی عوام انگریزی تہذیب و تمدن کے مقلد بن گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر باشعور اور دانشور طبقہ مضطرب و بے چین تھا تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے خبر انگریزی طرز معاشرت سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب و تمدن کو بیٹھتے تھے۔ تعلیم سے بے بہرہ اور جہالت کا شکار ہو گئے تھے یعنی ایک قوم کی تباہی و بربادی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانی عوام میں پرورش پا رہے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ کے لئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب میں ایک بڑا سبب ہندوستانیوں کو تہذیبی و مذہبی پر مجبور کرنا تھا۔ انگریزی افسران اور عیسائی مبلغین بازاروں اور فوجوں میں جا کر طرح طرح سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے اور ہندو مسلمانوں کے بزرگوں کے خلاف سخت اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے۔ انگریزی مظالم کی وجہ سے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا اور وہ لوگ جو کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے اب ایسے محتاج ہو گئے تھے کہ زندگی کے چند دن بھی ان پر گراں گزر رہے تھے۔

مولانا نسفی علی خاں ایک جید عالم، ممتاز مفتی، صاحب تقویٰ، عابد شب بیدار، ہمہ گیر شخصیت کے مالک مبلغ اسلام اور صاحب طرز اسلوب نثر نگار تھے۔ آپ نے ان تمام باتوں کو محسوس کیا۔

انھوں نے چھٹم خود ہندوستانی قوم کی زیوں حالی دیکھی، 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی دیکھی اور انگریزوں کے ظلم و ستم دیکھے۔ آپنے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی قوم کو بیدار کرنے اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے علم و عمل کا سہارا لیا اور آپ نے بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ قائم کیا جس کا مقصد قوم کو پستی سے نکالنا اور مذہبی تشخص کو برقرار رکھنا تھا تاکہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مقابلہ کیلئے تیار ہو سکیں۔ ساتھ ہی آپ نے عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالنے اور قوم کو گمراہی سے بچانے کے لیے سیف قلم کو استعمال کیا آپ کی تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ نے ہندوستانی عوام کو غم دیا، حوصلہ دیا مغربیت کے سیلاب سے بچانے کے لئے عوام کو اعلیٰ فکری اعتبار سے تیار کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو نئے نئے عقائد سے گمراہ ہونے سے روکنے کے لیے ”اصول الرشاد“ ”ازالۃ الاوهام“ اور ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ وغیرہ کتابیں لکھیں اور مسلم معاشرہ میں باطل عقائد کو پھیلنے سے روکا۔ انگریزی تعلیم کے مضراثرات سے روکنے کے لیے ”فضل العلم و العلما“ تحریر کی۔

عیسائی تحریکوں کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملے کے چارہ تھے، عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جارہی تھیں آپ نے ”سرور القلوب فی ذکر المحبوب“ لکھ کر اس کا منہ توڑ جواب دیا اور انگریز مبلغین کے ذریعہ پھیلائی جارہی گمراہیت اور بددینی کے اثرات کو زائل کیا۔

مسلمان مغربی آداب و طرز معاشرت کے دیوانے ہو رہے تھے وہ اپنی تہذیب و تمدن بھول چکے تھے۔ مغربی طرز معاشرت اختیار کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے، غلط رسم و رواج زور پکڑ رہے تھے مولانا نسفی علی خاں نے مسلمانوں کی اس بے راہ روی کو شدت سے محسوس کیا۔ آپ ان تمام رسم و رواج کو مسلمانوں کی اقتصادی، معاشی اور اخلاقی زوال کا سبب مانتے تھے اس لئے آپ نے مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی فضولیات سے پاک کرنے کے لیے ”ہدایت البریہ الی شریعت الاحمدیہ“

”لکھی اردو نثر میں اسلامی معاشرے پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس طرح مولانا نقی علی خاں کا مقدس مشن اپنی تصنیفات کے ذریعہ اصلاح کرنا، اسلامی معاشرہ کو مغربیت کے سیلاب میں غرق ہونے سے بچانا تھا۔ آپ نے مذہبی کتب تصنیف کر کے اہل ہند کو نصیحت ایمان اور دولت اسلام عطا کی۔ جہاں آپ نے عقائد اسلامی کی حفاظت کی وہیں اردو نثر کی عزت و آبرو بچائی۔ انگریزوں نے اردو نثر کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی مولانا نقی علی خاں ؒ نے اس کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی اور اردو نثر جس غرض و غایت کے لیے عالم وجود میں آئی تھی اس کو پورا کیا۔

مولانا نقی علی خاں ؒ دینیات کے عالم تھے۔ آپ عربی، فارسی کے ماہر تھے آپ کے گھر کا ماحول ایسا تھا جہاں عربی، فارسی مادری زبان کی طرح تھی جن میں صنائع بدائع کا استعمال بھی عام تھا، انداز پر تکلف تھا گرو و پیش کی فضا علمی و دینی سرگرمیوں سے معمور تھی ان حالات میں مروجہ طرز تحریر سے الگ جدید طرز اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن آپ نے اپنی تصنیفات میں عربی، فارسی کے الفاظ اس خوبی سے استعمال کئے کہ آپ کی نثر اذوق ہونے کی بجائے پر زور اور پرتاثر ہو گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ ایک با کمال ادیب، صاحب طرز مصنف، ایک ممتاز عالم تھے۔

مولانا نقی علی خاں ؒ نے عصری تقاضوں کے تحت مقبلی و مسبق نثر کا بھی استعمال کیا لیکن اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز اختیار کیا جس سے نثر کا مفہوم، بخوبی واضح ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ بڑی اور پر معنی بات کہنے کے فن میں مولانا ماہر ہیں آپ کو نثر سادہ سلیس پر بھی پورا عبور حاصل تھا نثر سادہ سلیس میں بھی آپ نے اپنی بات کو انتہائی لطافت اور موثر ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سادگی اور متانت بلا کی پائی جاتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے جو بات کہی دلائل و براہین کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں کہی۔

اردو کا کوئی بھی بڑا ادیب یا انشا پرداز ہو مولانا نقی علی خاں ؒ نہ تو کسی سے مرعوب نظر آتے ہیں اور نہ ہی کسی ادیب کے سامنے ان کا ادبی وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی آپ میں کسی

طرح کا تکبر علمی تھا۔ آپ کی تصانیف قرآن و حدیث و تاریخی واقعات و کردار کی ہی ترجمان ہیں۔ آپ نے جذباتی بہادری کو اپنی قدروقیمت پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ الفاظ کا انتخاب یا شوکت الفاظ کی چمک و شک کے ساتھ استعارہ، کنایہ اور تشبیہات کی جلوہ گری بھی آپ کی ادبی عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ زبان و بیان حالانکہ صاف اور سلیس ہے مگر عربی فارسی الفاظ کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت و نئے طرز کا تعین کرتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں ؒ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اردو نثر کو معیاری بنا کر مختلف موضوعات پر کتب تصنیف کیں اور اردو زبان کو دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے ہمسری کرنے کے لائق بنایا۔ آپ نے اسلامی علوم و فنون حدیث و فقہ کو اردو نثر میں منتقل کیا۔ آپ کے علمی و ادبی کارناموں نے اردو زبان و ادب کے دامن کو وسیع کیا مذہبی سرمائے میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ (کتابیات)

نام مصنف / مولف	نام کتب	ناشر / مطبع
حضرت امام احمد رضا	الاجازت المستبند	ادارہ اشاعت تعقیفات رضا بریلی
حضرت امام احمد رضا	فتاویٰ رضویہ (حصہ اول، دوم، سوم)	رضا اکیڈمی بمبئی
حضرت امام احمد رضا	ازہار الانوار	بریلی
حضرت امام احمد رضا	اصمصام علی مشکک فی آیہ علوم الارحام	مطبوعہ لاہور (پاکستان)
ذکرہ جلیل	سنی رضوی اکیڈمی، ماریشس	
اشٹام حسین (پروفیسر)	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
الطاف حسین حالی	بادگار غالب	ایجوکیشنل کانسٹریٹس، کراچی
ابن قطلوبغا	۸۵۷ھ کے ہیرد	قادر بک پبلیشرز، بریلی
بدالدین مفتی	سوانح اعلیٰ حضرت	امجدی بک پبلیشرز، ناگپور
چندہ شاہ حسینی	شش التواریخ	اسلامک پبلیکیشنز سنٹر، پٹنہ
حسن رضا خاں ڈاکٹر	فقیہہ اسلام	مکتبہ مشرق، بریلی
حسین رضا خاں (مولانا)	سیرت اعلیٰ حضرت	مطبع بہارستان کشمیر، کھنڈو
حافظ بخش آنولوی (مفتی)	تہذیبہ الجہاں	مطبع نولکھور، کھنڈو
رام بابو بیکیند	تاریخ ادب اردو	یو۔ پی۔ اردو اکیڈمی، کھنڈو
رجب علی بیگ سرور	نسانہ عجائب	مطبع نولکھور، کھنڈو
رحمان علی	تذکرہ علمائے ہند	مطبوعہ الہ آباد
ضمیمہ گوہر (ڈاکٹر)	نعت کے چند شعراے متقدمین	



ضمیمہ (کتابیات)



غفر الدین بہاری (مولانا)	حیات اعلیٰ حضرت	مکتبہ رضویہ کراچی
عبد الوحید بیگ	حیات مفتی اعظم	ادارہ تحقیقات تصنیفات مفتی اعظم
عبدالحئی رضوی	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مشائخ قادریہ رضویہ اکیڈمی بنارس
عبدالحکیم اشرف	مشعل راہ	مطبوعہ کراچی پاکستان
عبدالحی فرنگی علی (مولوی)	مجموعۃ الفتاویٰ	مطبع پونچھ بھنؤ
قاسم نانوتوی (مولوی)	تخذیر الناس	
گارساں دتاسی	گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے	انجمن ترقی اردو دہلی
مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند	المسقوط (حصہ اول و دوم)	قادری کتاب گھر بریلی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	عشق ہی عشق	الحقاری پبلی کیشنز کراچی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	حیات مولانا احمد رضا خاں	مطبوعہ سیالکوٹ پاکستان
محمد ایوب قادری (پروفیسر)	سوانح مولانا حسن نانوتوی	مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان
محمد نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	مطبع شعلہ طور کاچور
محمد حسن علی	خطبات علمی	
مصطفیٰ علی (سید)	نواب خان بہادر خاں شہید	ایجوکیشنل کراچی
محمد احمد قادری	تذکرہ علمائے اہل سنت	سنی دارالاشاعت فیصل آباد
محمد اکبر اعوان	شاہ احمد رضا خاں بھڑیچ	الحقاری پبلی کیشن کراچی
ایم۔ ایم۔ جلالی	خرمن شعور	مطبوعہ بریلی
مفتی محمد خاں قادری	شرح سلام رضا	مکتبہ نظامی بھونڈی
محمد حسین آزاد	آب حیات	
نذیر احمد ڈپٹی	مراۃ العروس	

نقی علی خاں (مولانا)	اکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح	ایوان عرفان دہلی
نقی علی خاں (مولانا)	جواہر البیان	صح صدق بیٹاپور
نقی علی خاں (مولانا)	سرور القلوب	فاروقیہ بکڈ پو دہلی
نقی علی خاں (مولانا)	احسن الوعا	سنی باب الاشاعت کراچی
نقی علی خاں (مولانا)	اصول الرشاد	صح صدق بیٹاپور
نقی علی خاں (مولانا)	فضل العلم والعلماء	مجلس اشاعت طلباء کوہنہ
نقی علی خاں (مولانا)	ہدایت الہدیہ	حسنی پریس بریلی
نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	شعلہ طور کاچور
نجم الغنی خاں راپوری	اخبار الصنادید	مطبع نولکشور بھنؤ
یونس اختر مصباحی	امام احمد رضا رباب علم و دانش کی نظر میں	الجمع الرضوی مبارکپور

رسائل و میگزین:

ماہنامہ سنی دنیا بریلی (مولانا نقی علی خاں نمبر) ماہ فروری مارچ 1994ء	■
ماہنامہ قاری دہلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل 1989ء	■
ماہنامہ استقامت کانپور (مفتی اعظم نمبر) ماہ مئی 1983ء	■
سہ ماہی ادیب علیگڑھ جنوری تا دسمبر 1986ء	■
مہڈن ایگلواور ٹیلی کالج میگزین علیگڑھ مئی 1898ء	■
معارف رضا کراچی (پاکستان) شمارہ نمبر	■
ترجمان اہل سنت کراچی (پاکستان) جنگ آزادی نمبر ماہ جولائی 1975ء	■
قلمی دستاویز نکاح صاحبزادی مولانا نقی علی خاں زیر کس کا پی منکولہ راقم السطور	■

- ❑ فیصلہ منصف شہر مقدمہ ۴۸/۱۹۴۴ تقدس علی بنام مصطفیٰ رضا بریلی
- ❑ مقدمہ منصف شہر بریلی ۴۱۱/۱۸۸۴
- ❑ بیاض قلمی امام احمد رضا مخدوم سید شاہ یحییٰ حسن خانقاہ مارہرہ شریف ضلع ایبٹ
- ❑ بیان احمد سیونی بن محمد سیونی بہ اجلاس مولوی عبدالقیوم خاں سب جج بریلی مقدمہ ۴۷۱/۱۸۸۳
- ❑ مقدمہ تفریق کلکتری ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منصفیہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۲